مشمولات

ہمارے کچھ نمائندے

مالونی، ملاڈ اور جوگیشوری میں ہمارے نمائندے جناب الحاج محمد جعفر صاحب سے رابطہ کریں:9867810352

المصباح کتاب گھر مقابل سید اکبر حسینی اسکول، خواجہ پاک شاپ نمبر ۲۰ بندہ نواز درگاہ روڈ، گلبرگہ، کرناٹک۔994542620

مکتبہ طیبہ مرکز اسمٰعیل حبیب مسجد ۱۲۶ کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳۔ رابطہ نمبر:02223451292

مکتبہ طیبہ سنی دعوت اسلامی، اپوزٹ چاند تارہ سنی جامع مسجد نظام پورہ بھیونڈی، تھانے، مہاراشٹرا۔9226178452

اداریہ

اللہ ورسول سے تعلق مستحکم کیے بغیر کامیابی ممکن نہیں

56

امیر سنی دعوت اسلامی کے قلم سے

اللہ والوں کی فکر عام انسانوں کی فکر سے بہت مختلف ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ حضرات اپنی شاہ راہِ حیات کا تعین قرآن واحادیث کے مطابق کرتے ہیں جب کہ عام انسان اپنی حیات کے راستے کا تعین اپنی طبیعت اور خواہش نفس کے مطابق کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ والے ہر محاذ پر کامیاب وکامران نظر آتے ہیں اور عام انسان قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا دکھائی دیتا ہے۔

آج کا مسلمان قرآن واحادیث سے اپنا تعلق صرف برائے نام قائم کیے ہوئے ہے جب کہ اس کتاب سے اپنا تعلق قائم کرنے اور اس کی پیروی کرنے میں مکمل کامیابی ونجات ہے، افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی مسلمانوں کا تعلق بالقرآن وتعلق بالحدیث مضبوط نہیں ہورہا ہے، حالاں کہ ہر مسلمان کا دل یہ ضرور کہتا ہے کہ قرآن وحدیث کا دامن تھامنے سے ہر غم ومصیبت سے چھٹکارا نصیب ہوگا۔ لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو طبیعت گھبرانے لگتی ہے اور قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں۔ میں اس کی مثال قرآن مقدس اور انسان کی روزمرہ کی زندگی کی روشنی میں پیش کرتا ہوں۔

دنیا میں انسانوں کو انسانوں سے کام پڑتا ہے اسی لیے ہر چھوٹا انسان بڑے انسان سے تعلق اُستوار کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، غریب سرمایہ دار سے، امیر حکمراں طبقے سے، خدمتِ دین کرنے والے اور سماجی وفلاحی ادارے چلانے والے سخی اور مال دار لوگوں سے اپنا تعلق مستحکم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس تعلق کو مضبوط رکھنے کے لیے ان کی خوشی وغم میں شریک ہونا، تحفے وتحائف کا تبادلہ کرنا۔ ان کے رسم ورواج میں شریک ہونا وغیرہ وغیرہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ عقلمنداں را اشارہ کافی است۔

لیکن میں جب اللہ والوں کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتا ہوں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ تاج دارِ وقت خود کاسۂ گدائی لے کر ان کی چوکھٹ پر دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنا تعلق اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مضبوط بنائے رکھا۔ دنیا کے انسانوں سے قریب ہونے کے لیے بہت محنت کرنی پڑتی ہے، مال خرچ کرنے کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ جس سے تعلق اُستوار ہوا ہو وہ ہر مصیبت میں کام آئے لیکن بندے کا تعلق اگر اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو جائے تو بندہ کہیں بھی ہو رب کائنات کی نصرت ومدد بندے کے شامل حال ہوسکتی ہے، خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔

اللہ والے قرآن واحادیث میں ان صفات کو تلاش کرتے ہیں جن کو اختیار کر لینے پر اللہ اپنا قرب ومعیت عطا فرمادے پھر ان کی پوری زندگی ان اوصاف پر عمل کرنے میں گزرتی ہے۔ قرآن مقدس میں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (سورۃ النحل:۱۲۸)

ترجمہ: بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ کی روشنی میں آپ اولیاے کرام کی زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ تقویٰ ان کی زندگی کا ایک نمایاں وصف تھا، ان کا ہر ہر قدم تقوی سے معمور نظر آتا تھا، ظاہر وباطن اپنے رب سے ڈرنا ان کی پہچان تھی اور وہ صرف نیکیاں کرنے والے نہیں بلکہ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے بلکہ نیکیوں کے حریص تھے، اسی لیے اللہ پاک ان کی زبان مبارک سے نکلنے والی ہر بات کی لاج رکھ لیتا اور ان کی دعاؤں کو قبول کر لیتا، آقائے کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ (بخاری)

اللہ رب العزت سے بندوں کا تعلق کس قدر مضبوط ومستحکم ہونا ضروری ہے اور اس کے فوائد کیا ہیں؟ درج ذیل حدیث سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ترجمہ وتشریح پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن سفر کے دوران میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: لڑکے! اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اوامر ونواہی کا خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمھارا خیال رکھے گا، اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرماں برداری کرتے ہوئے ان چیزوں پر عمل کرو گے جن پر عمل کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور ان چیزوں سے اجتناب کرو گے جن سے اجتناب کرنے کا اس نے حکم دیا نیز تم ہر وقت اور ہر معاملے میں اسی کی رضا وخوشنودی کے طالب رہو گے تو یقینا اللہ تعالیٰ بھی تمھارا خیال رکھے گا بایں طور کہ تمہیں دنیا میں بھی ہر طرح کی آفات اور مصیبتوں سے بچائے گا اور آخرت میں بھی ہر عذاب وسختی سے محفوظ رکھے گا، جیسا کہ فرمایا گیا ہے (ومن کان للہ کان اللہ لہ) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کا ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کا خیال رکھو گے تو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ پاؤ گے یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کو ہر لمحہ یاد رکھو گے، اس کے نظام قدرت میں غور وفکر کرو گے اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو گے تو تم اس کی بے پایاں رحمتوں اور اس کے انعامات کو اپنے سامنے پاؤ گے) جب تم سوال کا ارادہ کرو تو صرف اللہ تعالیٰ کے آگے دستِ سوال دراز کرو، جب تم (دنیا وآخرت کے کسی بھی معاملے) میں مدد چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور یہ جان لو کہ بے مرضی مولیٰ اگر تمام مخلوقِ دنیا مل کر بھی تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو ہرگز تمہیں نفع نہیں پہنچا سکے گی، علاوہ صرف اس چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر دنیا کے تمام لوگ مل کر بھی تمہیں کسی طرح کا کوئی نقصان وضرر پہنچانا چاہیں تو وہ ہرگز تمہیں کوئی نقصان وضرر نہیں پہنچا سکیں گے علاوہ اس چیز کے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھا کر رکھ دیے گئے اور صحیفے خشک ہوگئے۔ (احمد، ترمذی)

یاد رکھیں کہ اللہ ہی ہمارا کارسازِ حقیقی ہے، انبیاے کرام واولیاے عظام وسیلے اور واسطے ہیں، ہمیں اپنی تمام حاجات میں اللہ کو پکارنا چاہیے، وہ اتنا کریم ہے کہ بندہ اس سے نہ مانگے، اس کی بارگاہ میں دعا نہ کرے تو وہ ناراض ہوجاتا ہے۔ علاوہ ازیں اپنے خالق کے آگے پھیلانا درحقیقت اس کے حضور اپنی عاجزی وبے کسی اور محتاجی کا اظہار کرنا ہے جو عبودیت کی شان ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اللہ یغضب ان ترکت سؤالہ　　　　وابناء آدم حین یسأل یغضب

ترجمہ: اللہ تو اُس وقت خفا ہوتا ہے جب تم اس سے سوال نہ کرو اور آدم کے بیٹے اس وقت خفا ہوتے ہیں جب کہ کوئی ان سے سوال کرے۔

یہ کس قدر مقام افسوس ہے کہ ہم سب کے ہو رہے ہیں خدا اور سول کے نہیں ہو رہے ہیں اگر ہم صحیح معنوں میں ان کے ہوجائیں، ان شاء اللہ قدم قدم پر نصرت خداوندی وتائید نبوی ہمارے ساتھ ہوگی۔

کاش! آج کے مسلمان کو اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی عقل آجاتی اور مسلمان حبِّ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گرفتار ہو کر درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریوزہ گر بن جائیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ یوں نغمہ سرا ہیں:

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو　　　　قافلہ تو اے رضاؔ اول گیا آخر گیا

●●

مبلغ سنی دعوت اسلامی جناب عطاء الرحمن نوری کو ''اپنی مٹی سونا ہے'' ایوارڈ ملنے پر مبارک باد

۲۶؍جنوری تا ۳۰ جنوری 2018ء کو ریلائبل میدان، درے گاؤں (مالیگاؤں) میں ''مالیگاؤں فیسٹیول'' کا انعقاد عمل میں آیا۔ مالیگاؤں فیسٹیول کے کنوینز آصف شیخ رشید صاحب (ایم ایل اے) اور مالیگاؤں فیسٹیول کمیٹی نے اس کلچرل پروگرام میں مقامی مصنوعات کی نمائش وفروخت کے ساتھ حمد و نعت، ٹیلنٹ شو، کوئیز کمپٹیشن، فوڈ فیسٹ، تعلیمی سیمینار، شامِ غزل، ممکری ونقالی، ڈرامہ، آرٹ گیلری، ون منٹ شو، کلچرل پروگرام، مالیگ ایوارڈ اور اپنی مٹی سونا ہے'' ایوارڈ فنکشن کا انعقاد کیا جس نے ہر اعتبار سے شہر میں اپنی تاریخ رقم کی۔ شہر مالیگاؤں کے معزز صحافی عطاء الرحمن نوری کو ان کی دینی، ادبی اور صحافتی خدمات کے صلے میں مالیگاؤں فیسٹیول کمیٹی نے **''اپنی مٹی سونا ہے ایوارڈ''** سے نوازا۔ عطاء الرحمن نوری نے صحافتی کورس میں ریاستی سطح پر اول اور ملکی سطح پر چوتھا مقام حاصل کیا تھا، تب سے موصوف تحریر وقلم سے اپنا رشتہ استوار کیے ہوئے ہیں۔ موصوف کے اب تک بارہ سو سے زائد مضامین ومقالات ملک وبیرون ملک کے رسائل، جرائد اور اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں اور نو (9) کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں اور یہ سلسلہ دراز ہے۔ اس اعزاز پر عطاء الرحمن نوری کو سنی دعوت اسلامی سمیت تمام خویش واقارب، دوست واحباب، دینی، تعلیمی، سیاسی، سماجی اور شہر کے سرکردہ افراد مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

عظمتِ باری تعالیٰ

(حیرت انگیز سائنسی اکتشافات کی روشنی میں)

از: مولانا محمد توفیق پیلی بھیتی

قرآن مجید میں دو مقامات پر عظمت باری تعالیٰ کے تعلق سے ایک ہی موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔ پہلے یہ دونوں مقامات (آیات) ملاحظہ فرمایئے، پھر آگے بڑھتے ہیں:

(ترجمہ) فرما دیجیے اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے روشنائی ہو جائے تو وہ سمندر میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، اگرچہ ہم اس کی مثل اور (سمندر یا روشنائی) مدد کے لیے لے آئیں۔ (سورۂ کہف:۱۰۹)

(ترجمہ) اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں (سب) قلم ہوں اور سمندر (روشنائی ہو) اس کے بعد اور سات سمندر اسے بڑھاتے چلے جائیں تو اللہ کے کلمات (تب بھی) ختم نہیں ہوں گے۔ بیشک اللہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔ (لقمان:۲۷)

مذکورہ بالا قرآنی آیات میں خالقِ کائنات کی کبریائی ایک مثال سے واضح کی گئی ہے کہ اگر روئے زمین کے سمندروں کی سیاہی بنا کر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے اظہار، اس کی حکمتیں اور اس کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو یہ سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ پھر ایسے ہی مزید سمندر لائے جائیں اور پھر اور لائے جائیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ اللہ کی قدرتیں، اس کی حکمتیں، اس کی دلیلیں ختم ہو جائیں۔ اس بات پر مزید زور دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر دنیا بھر کے درختوں کے قلم بنا لیے جائیں تو اللہ کی حکمتیں اور باتیں لکھتے لکھتے یہ قلم بھی ختم ہو جائیں گے لیکن باری تعالیٰ کی شان احاطۂ تحریر میں نہیں لائی جا سکے گی۔ تفسیر ابن کثیر کے مطابق تمام انسانوں کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں ہے جتنا سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ تمام درختوں کی قلمیں گھس گھس کر ختم ہو جائیں تمام سمندروں کی سیاہیاں ختم ہو جائیں لیکن کلمات الٰہی ویسے ہی رہ جائیں گے جیسے تھے۔ کلماتِ الٰہی ان گنت ہیں، بیشمار ہیں۔ مشرکین کہتے تھے کہ یہ کلام اب ختم ہو جائے گا جس کی تردید اس آیت سے ہو رہی ہے کہ نہ رب کے عجائب ختم ہوں، نہ اس کی حکمت کی انتہا، نہ اس کی صفت اور نہ اس کے علم کا آخر ہوگا۔ تمام بندوں کے علم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ۔

قرآن کا فرمان برحق ہے۔ ذرا تصور کیجیے کہ تمام دنیا کے درختوں کے قلموں کی تعداد کس قدر ہوگی اور یہ سمندر جو ابد سے ازل تک کے انسانوں کی ضروریات کو کافی ہے، کی سیاہی کی مقدار کس قدر ہوگی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ کسی بھی پرنٹر کے اسٹینڈر Cartridge میں صرف سولہ ملی لیٹر سیاہی ہوتی ہے اور اس سے دو سو سے زیادہ صفحات چھاپے جا سکتے ہیں۔ سولہ ملی لیٹر سیاہی مقدار میں کتنی ہوگی؟ اس کے لیے بس اتنا بتانا کافی ہوگا کہ یہ کھانا کھانے والے ایک چمچے میں سما جائے گی۔ گویا جب ایک چمچہ سیاہی سے دو سو سے زائد صفحات لکھے جا سکتے ہوں تو پھر دنیا بھر کے سمندروں کی سیاہی سے کتنے صفحات لکھے جا سکیں گے۔ یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ اتنے سارے صفحات جن کو گننا بھی محال ہو، ان پر لکھنے کے لیے معلومات اور باتیں کہاں سے آئیں گی؟

کسی دانش ور نے کہا ہے کہ قرآن سائنس کی نہیں بلکہ نشانیوں کی کتاب ہے۔ اس میں جابجا اشارے دیے گئے ہیں اور انسان کو غور وفکر کرنے کی دعوت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کردہ کائنات کے مظاہر کا کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک ایک سطر میں معلومات کا خزانہ موجود ہے۔ قرآنِ پاک میں انسان کی پیدائش کے مراحل بیان کرنے سے لے کر کائنات میں تیرتے اَجسام تک کا ذکر ہے۔ ہم آج جس دور میں جی رہے ہیں اسے علمی سیلاب کا دور کہا جاتا ہے۔ کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد معلومات کا وہ سیلاب آیا ہے جس کے آگے انسان بے بس نظر آتا ہے۔ موجودہ دور سائنسی ترقی کا دور ہے۔ حیران کن ایجادات،

دریافتیں اور معلومات دن بدن سامنے آتی جارہی ہیں۔ کچھ عرصے پہلے لندن میں ایک سیمینار ہوا جس کا عنوان تھا Information overload۔اس میں مختلف علمی شعبوں کے ماہرین نے مقالے پڑھے۔ اس سیمینار میں یہ بات سامنے آئی کہ دنیا میں اب تک جتنے سائنس داں کسی بھی زمانے میں پیدا ہوئے ان کی مجموعی تعداد سے زیادہ سائنس داں آج زندہ ہیں اور وہ سائنس کی معلومات میں دو ہزار صفحات فی منٹ کے حساب سے اضافہ کررہے ہیں۔ آج قریباً تیس کروڑ صفحات کے برابر تحریری مواد ہر روز انٹرنیٹ پر جاری ہورہا ہے۔

ان تحقیقات کے نتیجے میں انسان کی معلومات کے ذخیرے میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ موجودہ دور کے انسان کا علم، ماضی کے انسان سے بہت زیادہ ہو چکا ہے۔ آج کرۂ ارض پہ بسنے والے حشرات الارض اور جرثوموں سے لے کر بڑے بڑے ڈائنا سورز کی تاریخ، رہن سہن، شکار کرنے کے طریقے وغیرہ کے بارے میں معلومات ڈھونڈی اور جمع کی جارہی ہیں۔ دنیا میں موجود ہزارہا قسم کے درخت، جڑی بوٹیاں، زمینی وسمندری نباتات کو نہ صرف تلاش کیا جارہا ہے بلکہ ان سے فوائد حاصل کرنے کے طریقے بھی کھوجے جارہے ہیں۔ انسانی جسم کے نظام کو سمجھا جارہا ہے۔ جینز کی دریافت کے بعد سے تحقیق کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا ہے۔ ڈی این اے میں انسانی جسم کا مکمل بلیو پرنٹ موجود ہوتا ہے اس کو پڑھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ تاہم سائنس کے مطابق یہ نقطۂ آغاز ہے۔ ڈی این اے پر لکھے گئے کوڈ کو مکمل طور پر پڑھنے اور سمجھنے کے لیے ابھی بڑی محنت اور لمبی تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد شاید انسانی جسم اور اس کے افعال کو مکمل طور پر سمجھنے کا دعویٰ کیا جا سکے۔ اسی طرح سمندروں، صحراؤں اور دیگر علاقوں میں پائے جانے والے نباتات، حیوانات اور جمادات پر اگرچہ بہت کام ہوا ہے، بہت سی اقسام دریافت کی گئی ہیں، کئی فوائد ڈھونڈے گئے ہیں لیکن یہ سلسلہ بھی ہنوز نامکمل ہے اور اس کو مکمل کرنے کے لیے ایک لمبا عرصہ اور تحقیق درکار ہے۔

اسی بات کو سمجھنے کے لیے کائنات کے سب سے چھوٹے ذرے کی تلاش کا معاملہ لیجیے۔ کچھ عرصہ قبل تک سمجھا جاتا تھا کہ انسان جس کائنات میں سانس لے رہا ہے وہ مادے سے بنی ہوئی ہے اور اس کائنات کا سب سے چھوٹا حصہ ہے ایٹم۔ تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ کائنات کا سب سے چھوٹا حصہ ایٹم نہیں ہے بلکہ ایٹم بذاتِ خود الیکٹران، پروٹان، نیوٹران اور اسی طرح کے سو سے زیادہ ذرات پر مشتمل ہے۔ سائنسی کھوج کا سفر یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ جاری رہا۔ نتیجتاً نئی تحقیق سامنے آئی جس سے یہ معلوم ہوا کہ الیکٹران، نیوٹران اور پروٹان بھی مادے کے سب سے چھوٹے ذرات نہیں ہیں۔ ان سے چھوٹے جز بھی موجود ہیں ان کو کوارک کہا جاتا ہے۔ یہ کوارکس الیکٹرون، پروٹون، نیوٹرون اور دیگر چھوٹے ذرات کو بناتے ہیں۔ اسی موضوع پر ہونے والی ریسرچ سے اب یہ بات سامنے آئی ہے کہ کوارک سے بھی اربوں گنا چھوٹا مادہ موجود ہے اور اس کو اسٹرنگز کا نام دیا گیا ہے۔ گویا یہ معاملہ اتنا سادہ اور آسان نہیں ہے جتنا آغاز میں نظر آتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ آئندہ ہونے والی تحقیق سے اسٹرنگز سے چھوٹا بھی کچھ دریافت کرلیا جائے۔ الغرض سائنسی تحقیق اتنی ترقی کے باوجود ابھی تک نامکمل ہے۔

سائنسی مثالوں کو پیش کرنے کے بعد یہ جاننا دلچسپ محسوس ہوتا ہے کہ اس تحقیق کو لکھنے اور محفوظ کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ آج الیکٹرانکس میں ترقی کی وجہ سے ڈیٹا کی بڑی مقدار ایک انتہائی چھوٹی جگہ میں محفوظ کی جاسکتی ہے۔ کمپیوٹر میں انفارمیشن جمع کرنے کی پیمائش روایتی طور پر کلو بائٹس پھر میگا بائٹس اور اب عموماً گیگا بائٹس میں کی جاتی رہی ہے۔ اس کے بعد ٹیرا بائٹس، پیٹا بائٹس اور اب ایکسا بائٹس آ گیا ہے اور ایک ایکسا بائٹ ایک بلین گیگا بائٹس کے برابر ہے۔ سائنس کے جریدے میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۷ تک دنیا میں اسٹور ہونے والا ڈیٹا 295 ایکسا بائٹ ہے جو اوسطاً بارہ ملین ہارڈ ڈرائیو کے مساوی ہے۔ تحقیق کاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر یہی معلومات سی ڈیز پر جمع کی جائیں تو سی ڈیز کا انبار چاند سے بھی اوپر پہنچ جائے گا۔ جنوبی کیلیفورنیا یونیورسٹی کے سائنس داں ڈاکٹر مارٹن ہلبرٹ نے بی بی سی کو بتایا کہ اگر ہم یہ تمام اطلاعات لے کر انہیں کتابوں میں جمع کریں تو ان کتابوں کا انبار امریکہ یا چین کے برابر کے رقبے میں پھیل جائے گا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ابھی انسانی معلومات کا دائرہ صرف

روے زمین کے مظاہر تک محدود ہے۔ انسان نے بمشکل زمین سے باہر نکل کر چاند پر قدم رکھا ہے۔لیکن سی ڈیز کے ڈھیر کا چاند تک پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے مریخ اور زحل جیسے ستاروں پہ جانے کی ابھی صرف باتیں ہو رہی ہیں، باقی تمام کائنات تو بہت دور کی بات ہے۔ بہ الفاظ دیگر موجودہ علم کا زیادہ تر حصہ صرف زمینی معلومات پر مشتمل ہے۔ دھیان رہے کہ اس دو ہزار صفحات فی منٹ کے حساب سے مسلسل اضافہ بھی ہو رہا ہے یعنی معلومات میں اضافے کا عمل ساقط نہیں ہوا بلکہ جاری ہے اور سی ڈیز کی تعداد میں مسلسل اضافہ کر رہا ہے۔لیکن اگر صرف یہ زمینی معلومات ہی چین کے رقبے کے برابر ہو سکتی ہیں تو اندازہ لگائیے کہ کیا پوری کائنات کا علم زمین میں سما سکے گا؟۔ یاد رہے کہ کائنات میں سو ارب کہکشائیں موجود ہیں ہر ایک کہکشاں میں لاکھوں سے لے کر کھربوں کی تعداد میں ستارے موجود ہو سکتے ہیں۔ایک محتاط اندازے کے مطابق کائنات میں ۳۰۰ سیکٹیلین (دس کے ساتھ ۲۳ صفر) ستارے موجود ہیں۔کیا کل کائنات کے علم کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے زمین پہ موجود وسائل کافی ہوں گے۔؟

غور کیجیے کہ یہ تمام ستارے، کہکشائیں، بلیک ہولز، نیوٹرون اسٹارز اور اب تو متوازی کائناتوں کے تصورات بھی آچکے ہیں، کس کی تخلیق ہیں۔؟ کس نے انھیں پیدا کیا، کس نے انھیں کائنات میں ان کی جگہوں پر ٹانگا؟ کس نے ان کی گردش اور پھیلاؤ کے اصول و قوانین بنائے؟ ان کو روشن کرنے کے لیے کس نے ایندھن مہیا کیا؟ سائنس کہتی ہے کہ ستاروں پر ایندھن کے جلنے میں فیوژن کا عمل ہوتا ہے۔ وہ کون ہے جس نے فیوژن کا عمل پیدا کیا۔؟ آج سائنس داں کتابوں پہ کتابیں لکھ رہے ہیں، تحقیقی مقالہ جات شائع ہو رہے ہیں، انہی اصولوں کو دریافت کرنے، سمجھنے اور بیان کرنے کے لیے لیکن یہ اصول، یہ باتیں، یہ تخلیقات دراصل اللہ تعالیٰ کی خدائی کے کرشمے ہیں۔ سائنس کیا ہے؟۔ اللہ کی تخلیقات کے مطالعے کا نام سائنس ہے۔اللہ کی تخلیقات میں کارفرما اُصول وضوابط اور قوانین کو مسلسل غور و فکر کے ذریعے جان لینا سائنس ہے۔ انسان سائنسی علوم کا خالق نہیں، دریافت کرنے والا ہے۔سائنس اللہ کی تخلیق ہے۔سائنس خدا نہیں، مخلوق ہے۔ لامحدود نہیں محدود ہے۔فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، آسٹرولوجی، جغرافیہ، تاریخ غرض جس علم کا بھی نام لیں۔ اصلاً تو ہر حرف، اللہ کی تخلیقات، اس کے بنائے ہوئے قوانین سب اللہ کی باتیں ہیں۔اور ابھی دنیا بھر میں پھیلی اربوں کتابیں صرف اور صرف دنیا اور اس کے علوم کے گرد گھومتی ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جن پر ہم نے آج غور کرنا شروع کیا ہے، جاننا اور کھوجنا شروع کیا ہے لیکن یہ ہمیشہ سے موجود ہیں۔ یہ اس وقت بھی موجود تھیں جب قرآن کا نزول ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت بیان کرنے کے لیے فرمایا تھا کہ اگر سمندروں کے برابر بھی سیاہی آجائے تب بھی اللہ کی باتیں اور کلمات لکھے نہیں جا سکتے۔ وہ علم جو انسان کی دسترس سے بعید، بہت بعید ہے۔ وہ اتنا زیادہ ہے کہ سمندروں کی روشنائی اور تمام درختوں کے قلم بن جائیں تو بھی احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے ناکافی ہوں گے۔اللہ کے مقابل ہم کیا اور ہمارا علم کیا۔ جتنے قلم اس زمین کے درختوں سے بن سکتے ہیں اور جتنی روشنائی زمین کے موجودہ سمندر اور ویسے ہی سات مزید سمندر فراہم کر سکتے ہیں، ان سے اللہ کی قدرت وحکمت اور اس کی تخلیق کے سارے کرشمے تو درکنار شاید موجوداتِ عالم کی مکمل فہرست بھی نہیں لکھی جا سکتی۔تنہا اس زمین میں جتنی موجودات پائی جاتی ہیں انہی کا شمار مشکل ہے کجا کہ اس اتھاہ کائنات کی ساری موجودات ضبط تحریر میں لائی جا سکیں۔

بات جب سمندروں کے پانی کی چل نکلی ہے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ سمندر میں کیسا پانی پایا جاتا ہے۔قرآن مجید میں جگہ جگہ سمندروں اور ان کے پانیوں کا ذکر ہے۔ان آیات میں غور کرنے سے باری تعالیٰ کی عظمت آشکار ہوتی ہے، بس دل و دماغ کی آنکھیں کھلی رکھنی ضروری ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ۔

(ترجمہ) اس نے دو دریا یا سمندر رواں کیے جو باہم ملتے ہیں (پھر بھی) اُن کے درمیان ایک پردہ ہے، وہ اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔

(ترجمہ) اور وہی تو ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے جن میں سے ایک کا پانی لذیذ وشیریں ہے اور دوسرے کا کھاری، کڑوا۔ پھر ان کے درمیان ایک پردہ اور سخت روک کھڑی کر دی ہے۔

مَرْج کا لغوی معنی دو چیزوں کو اس طرح ملانا یا ان کا آپس میں اس طرح ملنا ہے کہ ان دونوں کی انفرادی حیثیت اور خواص برقرار رہیں۔ جیسے غُصْنٌ مَّرِیْجٌ باہم گتھی ہوئی ٹہنی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ایک نہایت محیر العقول نشانی بتائی ہے۔ جدید سائنس نے انکشاف کیا ہے کہ دو مختلف سمندر جہاں آپس میں ملتے ہیں وہاں ان کے درمیان ایک ایسا پردہ حائل ہوتا ہے جو ان کو ایک دوسرے سے علاحدہ رکھتا ہے اور ہر سمندر کا اپنا درجہ حرارت، کھاری پن اور کثافت ہوتی ہے۔

یہ کیفیت ہر اس جگہ رونما ہوتی ہے جہاں کوئی بڑا دریا سمندر میں آ کر گرتا ہے۔ اس کے علاوہ سمندر میں بھی مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں جن کا پانی سمندر کے نہایت تلخ پانی کے درمیان بھی اپنی مٹھاس قائم رکھتا ہے۔ ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس اپنی کتاب **"مراۃ الممالک"** میں، خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہاں آبِ شور کے نیچے آب شیریں کے چشمے ہیں، جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لیے پینے کا پانی حاصل کرتا رہا ہوں۔ موجودہ زمانے میں جب امریکی کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتدا میں وہ بھی خلیج فارس کے ان چشموں سے پانی حاصل کرتی تھی۔ بعد میں ظہران کے پاس کنوئیں کھود لیے گئے اور ان سے پانی لیا جانے لگا۔ بحرین کے قریب بھی سمندر کی تہہ میں آب شیریں کے چشمے ہیں جن سے لوگ کچھ مدت پہلے تک پینے کا پانی حاصل کرتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ دنیا میں کئی جگہ پر رونما ہوا ہے۔ مثلاً "جبل طارق" کے مقام پر جہاں بحیرۂ روم اور بحر اوقیانوس ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ کیپ پوائنٹ، کیپ پینسولا اور ساؤتھ افریقہ کے ان مقامات پر جہاں بحر اوقیانوس اور بحر ہند ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں مصر میں بھی اس مقام پر جہاں دریائے نیل، بحیرہ روم میں جا کر گرتا ہے، یہی عمل ظہور میں آتا ہے۔ بحیرۂ روم کا پانی بحر اوقیانوس کے پانی کے مقابلہ میں گرم، کھارا اور کم کثیف ہوتا ہے۔ جب بحیرہ روم جبل طارق پر سے بحر اوقیانوس میں داخل ہوتا ہے تو یہ بحر اوقیانوس کے دہانے پر سے تقریباً ایک ہزار میٹر کی گہرائی تک اپنی گرمی، کھارا پن اور کم کثافتی خصوصیات کے ساتھ کئی سو کلو میٹر دور تک بہتا ہے اور بحیرہ روم کا پانی اپنی گہرائی پر مستحکم رہتا ہے تاہم یہ قدرتی رکاوٹ بڑی بڑی لہروں، طاقتور موجوں اور مدّ و جزر کو آپس میں ملنے یا حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ قرآن مجید میں اسی بات کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ دو سمندروں کے پانی جہاں آپس میں ملتے ہیں تو ان کے درمیان ایک قدرتی اور انسانی آنکھ کو نظر نہ آنے والی ایک رکاوٹ حائل ہوتی ہے جو ان دونوں پانیوں کو آپس میں ملنے اور گڈ مڈ ہونے سے روکتی ہے۔ یعنی بظاہر ملے ہوئے ہونے کے باوجود دونوں سمندروں کے پانیوں کے خواص اپنی اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں۔

یہاں ایک اور بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ الرحمٰن میں جب دو سمندروں کے آپس میں ملنے کا ذکر کرتا ہے تو ان کے درمیان رکاوٹ کو صرف ایک لفظ "برزخ" سے ظاہر کرتا ہے مگر سورۃ الفرقان میں جب میٹھے اور کھاری پانی کا ذکر فرماتا ہے تو ان کے درمیان رکاوٹ کے لیے الفاظ "برزخاً وحجرًا محجورًا" استعمال فرماتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محل وقوع کے لحاظ سے رکاوٹوں کی قسموں اور نوعیت میں فرق ہے۔ اسی چیز کو جدید سائنس نے حال ہی میں معلوم کیا ہے کہ سمندر کے مدّ و جزر والے دہانوں میں جہاں میٹھے اور نمکین پانی آپس میں ملتے ہیں صورت حال اس جگہ سے مختلف ہوتی ہے جہاں دو سمندر ملتے ہیں۔ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ دریاؤں کے دہانوں میں تازہ پانی اور کھارے پانی کے درمیان ایک گاڑھے پانی کا حجاب ہوتا ہے جو تازہ پانی اور کھارے پانی کی پرتوں کو ملنے نہیں دیتا۔ یہ حجاب (پردہ) تازہ پانی اور کھارے پانی کے انفرادی خواص سے مختلف کھارے پن کا حامل ہوتا ہے۔ یہ معلومات حال ہی میں حرارت، کثافت، کھارے پن اور آکسیجن کی حل پذیری معلوم کرنے والے جدید ترین آلات کی مدد سے دریافت ہوئی ہیں۔

انسانی آنکھ جس طرح دو سمندروں کے ملاپ کے فرق کو نہیں دیکھ سکتی، اسی طرح مدّ و جزر کے دہانے میں تین اقسام کے پانی کو نہیں دیکھ سکتی۔ یعنی صاف و شفاف، نمکین پانی اور ان کی علاحدگی۔ چنانچہ اس مسئلے میں بھی قرآن اور جدید سائنس میں زبردست مماثلت پائی جاتی ہے جب کہ قدرت کے اس کرشمے کو قرآن کے نزول کے صدیوں بعد بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔

●●

عہد نبوی میں مدینہ منورہ کی معیشت

ہجرت کے بعد آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی اقتصاد و معیشت کو عروج و کمال پر پہنچا دیا

از: مولانا محمد حسین

اقتصاد و معیشت کسی بھی قوم، کسی بھی ملک اور کسی بھی ریاست کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اقتصادیات کے میدان میں جو ملک یا قوم بہت آگے ہوتی ہے اسے سپر پاور کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے جیسے کہ اس وقت امریکہ پوری دنیا میں سپر پاور کی حیثیت سے اپنی پہچان بنائے ہوئے ہے اور اس کی بنیاد پر دنیا بھر میں اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لیے نت نئے ہتھکنڈے اپنا رہا ہے۔ دوسری طرف عالم اسلام میں ترکی ہے جو اقتصادی میدان میں بڑی تیزی سے طاقت ور ہو کر ابھر رہا ہے اور اس کی وجہ سے یہودی طاقتیں اور امریکہ و اسرائیل کی حکومتیں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ ہم جب اس سلسلے میں دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار ہزار بار قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے ایسی ایسی حیرت انگیز پالیسیاں اپنائیں جو قیامت تک پوری دنیا کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اقتصادی پالیسیوں تک پہنچنے اور مسلمانوں کی ترقی کا راز جاننے کے لیے آیئے کچھ دیر عہد نبوی کی سیر کرتے ہیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں جب مہاجرین مکہ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو جلد ہی وہاں کی تجارتی منڈیوں پر چھا گئے تھے، جس کی وجہ ان کا سابقہ تجربہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتصادی پالیسی اور معاشی اصلاحات کا عمل تھا۔ ہجرت کر کے مدینہ آنے والے مسلمان دو طرح کے تھے، ایک تو وہ تھے جو کسبِ معاش اور تجارتی سرگرمیوں سے بھی وابستہ تھے اور ساتھ ساتھ جہاد و غزوات میں بھی شریک رہتے، دین میں تفقہ بھی حاصل کرتے اور مسلمانوں کے اُمور و معاملات کو انجام دینے میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد بھی کرتے تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جن میں یہ جامعیت نہیں تھی، انہوں نے کسب معاش سے صرف نظر کیا اور اپنی پوری توجہ دین میں تفقہ اور گہرائی پیدا کرنے اور جہاد و غزوات پر مرکوز رکھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں جو کرنے کے لیے کہتے وہ اسے انجام دیتے، ان پر جو ذمے داری ڈالتے اسے پورا کرتے اور جن اوامر کو نافذ کرنے کا پابند بناتے اسے وہ نافذ کیا کرتے تھے۔ یہ حضرات اپنے گھریلو اخراجات یا تو جہاد میں حاصل ہونے والے مال غنیمت سے پورا کرتے تھے یا مال دار مہاجرین و انصار کی جانب سے پیش کردہ امداد سے۔

اس وقت مدینہ منورہ کی اقتصادی حالت اچھی نہیں تھی، اوس وخزرج کی لڑائی نے یہاں کی معیشت کو تباہ کر دیا تھا، زرعی پیداوار بھی بہت معمولی تھی جو اہل مدینہ کے لیے بھی ناکافی تھی جس کی بھرپائی وہ باہر سے درآمد کر کے کرتے تھے۔ مہاجرین کی آمد کے بعد اس میں اور بھی ابتری آ گئی کہ ان کا بوجھ بھی یہاں کی معیشت پر پڑنے لگا۔ ایک کی کفایت کرنے والا کھانا دو اور دو سے زائد افراد پر تقسیم ہونے لگا۔ انصار نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا، وہ آنے والے مہمانوں کو اپنے اوپر ترجیح دینے لگے۔ ان کے پاس قلیل ہو یا کثیر، ایثار سے کام لیتے، خود محروم اور بھوکے رہتے مگر مہاجرین کو ممکنہ حد تک غذا فراہم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مدینہ منورہ کی معاشی صورت حال اور انصار کی قربانی و ایثار کی عکاسی سورۂ حشر آیت نمبر ۹ میں بھی کی گئی ہے۔

اپنی ذات پر دوسروں کو مقدم رکھنے کو ایثار کہتے ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ اشیا کی قلت ہو، فراوانی کے وقت اس تقدیم وترجیح کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، گویا اس آیت نے مدینہ والوں کی معاشی تنگی کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

مکہ میں جب ظلم وستم، سفاکی اور درندگی کی انتہا ہو گئی اور دین پر قائم رہتے ہوئے زندہ رہنا دشوار ہو گیا تو ان کمزور مسلمانوں نے دین کی حفاظت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا ارادہ کر لیا اور اپنا وطن، اہل وعیال، مال و دولت، زمین و جائداد، صنعت وحرفت اور تجارت وکاروبار سب کچھ چھوڑ کر اپنے دین وعقیدے کی حفاظت اور دین اسلام کو آزادی کے ساتھ پھیلانے کے مقصد سے مکہ سے خالی ہاتھ نکل

پڑے۔ یہ حبشہ گئے جہاں انھیں امن وسکون ملا اور انھیں مکمل تحفظ حاصل ہوا، مگر ہجرت کا مقصد صرف راحت وآرام نہیں تھا، اس کا مقصد تو امن حاصل کرنے کے بعد اللہ کے دین کو دوسروں تک پہنچانا اور عام کرنا تھا جس کے لیے حبشہ کی سرزمین سکون کے باوجود سازگار نہیں تھی۔ وہاں کے باشندوں نے نجاشی کے خلاف اس وقت علم بغاوت بلند کردیا جب نجاشی نے انہیں اسلام قبول کرنے کی تلقین کی۔ یہ ملک دعوت اسلام اور اسلام کی نشر واشاعت اور مملکت اسلامیہ کے قیام کے لیے موزوں نہیں تھا اسی لیے کچھ لوگوں کے یہاں ہجرت کرنے کے باوجود ایسی سرزمین کی تلاش جاری تھی جو اس مقصد کی تکمیل کرتی ہو اور وہاں مسلمان ہجرت کرکے اور پناہ لے کر امن کے ساتھ جی بھی سکیں اور دعوت اسلامی کو عام بھی کرسکیں اور اسلامی مملکت کا قیام بھی ہوسکے۔

اس مقصد کے لیے مدینہ منورہ موزوں نظر آیا اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں مقیم تھے، آپ کی اجازت سے مظلوم مسلمان ہجرت کرکے مدینہ آنے لگے، انصار نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور تمام آنے والوں کو عزت وتکریم کے ساتھ جگہ دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ مدینہ کی اقتصادی حالت اچھی نہیں، یہاں وسیع تر تبدیلی اور معاشی اصلاحات کی ضرورت ہے۔

آپ نے معاشی ترقی کے لیے سب سے پہلے امن وامان کی بحالی پر توجہ دی، اوس وخزرج کے درمیان جاری صدیوں پرانی لڑائی کا خاتمہ کیا، جس کے بعد ہی مدینہ والے زراعت اور صنعت وحرفت کی طرف متوجہ ہوسکے، صرف زراعت سے اتنے محصولات جمع ہونے لگے جو مدینہ والوں کے لیے نہ صرف کافی ہوگئے بلکہ بیرونی علاقوں کو برآمد کیے جانے لگے اور تجارت کا تجربہ رکھنے والے جن میں مہاجرین کی اکثریت تھی کاروبار میں مشغول ہوگئے، اس طرح مدینہ کی معیشت رفتہ رفتہ بہتر ہونے لگی۔ مدینہ میں اسلام کی آمد کے وقت معاشی بدحالی اور اقتصادی زبوں حالی کے متعدد اسباب تھے جن میں تین اسباب بنیادی اور سرفہرست تھے:

ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہاں کی معیشت کا کنٹرول یہودیوں کے ہاتھ میں تھا، وہی سرمایہ لگاتے اور مارکیٹ پر اپنا کنٹرول مستحکم کیے ہوئے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یہود کے کاروبار کا مکمل انحصار سود پر تھا، انہوں نے سودی لین دین کے ذریعہ لوگوں کے املاک کا تقریباً خاتمہ کردیا تھا اور دولت وسرمایہ چند افراد کے ہاتھ میں سمٹ کر رہ گیا تھا اور جو غریب تھا مزید غربت کے دلدل میں پھنستا چلا جا رہا تھا جنہیں یہود کسی رحم ورعایت کے بغیر نچوڑ رہے تھے اور ان کا خون چوس رہے تھے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ اس معاشرہ میں رشوت خوری اور دھوکا بازی کا بازار گرم تھا، ناپ تول اور اوزان (مکیال ومیزان) کے ساتھ کھلواڑ کیا جا رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدترین صورت حال کا خاتمہ کرکے معیشت کو نئی زندگی دینے کے مقصد سے چند بنیادی قواعد وضوابط وضع کیے۔ آپ نے لوگوں کو کام کرنے پر ابھارا اور کسی کام کو معمولی سمجھے بغیر انجام دینے کی تلقین کی۔ آپ نے فرمایا:

ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يديه، وإن نبي الله داؤد كان يأكل من عمل يديه (بخاری:۳/۷۰)

یعنی کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کبھی نہیں کھایا، اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

اس تاکید وترغیب کی وجہ یہ ہے کہ اقتصادی ترقی کی اہم بنیاد اور سب سے قیمتی اساس یہی ہے کہ کام کے مواقع ہوں اور لوگ کام کریں اور اس میں دلچسپی لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت سے مسلمانوں کو علم ہوگیا کہ زندگی کے لیے عمل ضروری ہے اس لیے ہر مسلمان نے اپنے مزاج وتجربہ اور ذاتی صلاحیتوں کی بنیاد پر کوئی نہ کوئی پیشہ ضرور اختیار کرلیا اور خالی بیٹھے رہنے کو نہایت معیوب سمجھنے لگے مگر وہ کاروبار اور صنعت وتجارت میں مشغول ہونے کے ساتھ ساتھ دین میں تَفَقُّہ بھی حاصل کرتے رہے اور دین کی نشر واشاعت میں بھی وقت لگاتے رہے۔ پورے طور پر کسبِ معاش ہی میں نہیں لگ گئے کہ دوسری جانب کو بالکل نظر انداز کردیں۔ چوں کہ مدینہ کی معیشت یہود کے ہاتھ میں تھی جو سودخوری، دھوکا دہی، اور رشوت ستانی کے خوگر تھے اور انہوں نے دوسروں کا خون چوس کر ہی دولت کا انبار لگانے کو اپنا وطیرہ بنالیا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی اصلاح کے لیے سودخوری، رشوت ستانی، غرر ودھوکا دہی کے ذریعے کاروبار چلانے پر پابندی لگادی۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اپنی پہلی اسلامی ریاست کی زندگی کی شروعات بڑی تنگ دستی اور معاشی پریشانی کے ساتھ کی تھی۔ آپ نے اس پر قابو پانے کے لیے مسجد تعمیر کی جو عبادت خانہ بھی تھی اور مہمان خانہ بھی، مشاورتی کونسل بھی تھی اور تعلیم گاہ بھی، مرکز دعوت وارشاد بھی تھی اور افراد سازی کا ٹھکانہ بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں صفہ بنایا جس میں نادار مسلمان پناہ لیتے اور حلقۂ

درس میں شریک ہوکر دین میں تفقہ حاصل کرتے تھے۔ یہ حالت اسی طرح چند سالوں برقرار رہی، پھر آہستہ آہستہ معیشت بہتر ہونے لگی، پھر جہاد کے راستے مال غنیمت اور مالِ فئے حاصل ہونے لگے، یہاں تک کہ معاش کا مسئلہ باعث تشویش نہیں رہ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اقتصادی پالیسیوں کو اپنانے کی تاکید کر کے معاشی اصلاحات کی شروعات کی تھی، اس میں سب سے نمایاں وسرفہرست یہ تھے:

تجارت کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسیاں

اہل مدینہ تجارت سے بھی وابستہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے وقت بیشتر تجارت پر یہود کا قبضہ تھا، اس کا اندازہ ان روایتوں سے ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کے یہود کے ساتھ تجارتی لین دین کا تذکرہ ہے۔ (المغازی للواقدی:۱/۴۰۱، بخاری: ۶/۱۹، صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی:۱/۴۹۳) یہود کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مال سے محبت کرنے والے اور سودی کاروبار میں شاطر ہوتے ہیں۔ وہ سود وصول کرنے اور مال جمع کرنے کے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں اور ان سے معاملہ کرنے والوں کو وہ ذرہ برابر چھوٹ یا مہلت دینا گوارا نہیں کرتے ہیں۔ ان کی یہ عادت پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔ اسی سودی راستے سے انھوں نے مدینہ کے رأس المال پر قبضہ کر رکھا تھا اور انصار اپنے اموال سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ (المغازی:۱/۴۰۱، بخاری: ۱۰۳، صفۃ الصفوۃ: ۱/۱۹۳)

مدینۂ منورہ میں زراعت کا پیشہ پہلے نمبر پر اور تجارت دوسرے نمبر پر تھا۔ اسلامی حکومت کے قیام کے بعد ملکی تجارت بڑی حد تک فروغ پانے لگی جو مختلف مقامی سامانوں کے تبادلے کی صورت میں تھی یعنی اہل مدینہ کے زرعی وحیوانی پیداوار کا تبادلہ قرب وجوار کے لوگ اونٹ، گھوڑا، بکری اور دوسرے جانوروں یا اس سے تیار کی جانے والی اشیا جیسے دودھ، دہی، مکھن، گھی، اون، چمڑا اور اس طرح کی چیزوں سے کرتے تھے۔ دیہات اور قرب وجوار کی آبادی یہاں آتی، اپنی چیزیں فروخت کر کے یہاں کی پیداوار حاصل کرتی تھی۔ مدینہ میں صنعتیں بھی قائم تھیں اور اس پر بھی یہود چھائے ہوئے تھے۔ ہتھیار وآلات اور زیورات جیسی مصنوعات کا بھی کاروبار ہوتا تھا۔ ان مصنوعات کی خرید وفروخت کے لیے ایک مستقل منڈی قائم کی گئی تھی۔ بعض منڈیاں زمانۂ جاہلیت سے ہی تھیں اور اسلام کی آمد کے بعد بھی قائم رہیں۔ قدیم منڈیوں میں زبالہ، الجسر، صفاصف، زقاق بن حبین یا مزاحم مشہور تھیں مگر چوں کہ یہ منڈیاں یہود کے ہاتھ میں تھیں اور اس کی بنیاد سود، دھوکا دہی اور اس طرح خلاف شرع اُمور پر تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے کاروبار کے لیے ایک نئی مارکیٹ قائم کی اور اسے تمام مسلمانوں کے لیے عام کر دیا کہ جو بھی مسلمان چاہے اس میں کاروبار کرے، ان سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا، اس مارکیٹ کو بقیع الخیل، بطحاء اور سوق حرض جیسے متعدد ناموں سے جانا جاتا ہے۔

جزیرہ نما عرب میں یمن سے شام کے بیچ قدیم تجارتی راستے پر مدینہ منورہ کے واقع ہونے کی وجہ سے مدینہ بیرونی وبین الاقوامی تجارت میں بھی حصہ لینے لگا اور رفتہ رفتہ اپنے آب وہوا اور محل وقوع کی وجہ سے عرب دنیا کا تجارتی مرکز بن گیا۔ بحر احمر کے راستے تجارتی نقل وحرکت تیز ہوگئی، یہاں یمن وحبشہ سے آنے والی تجارتی کشتیاں لنگر انداز ہونے لگیں۔ بعض یہود نے بیرونی تجارت میں بڑی مہارت حاصل کر لی تھی جو بیرون ملک سے ساز وسامان اور غذائی اشیا درآمد کرتے تھے۔ انصار کی اکثریت تو زراعت سے وابستہ تھی مگر بعضوں نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا اور کچھ بیرونی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے۔ حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم اس بیرونی تجارت میں مشہور تھے۔ اس کے علاوہ بیرونی تجار بھی یہاں آئے۔ بطور خاص فارس کے تاجروں کی آمد ہمیشہ ہوتی رہتی تھی۔ مہاجرین کی اکثریت تاجر پیشہ تھی اس لیے ہجرت کے بعد وہ بھی اس میں حصہ لینے لگے، جا بجا ان کے بازار لگتے تھے۔ (المغازی للواقدی: ۱/۳۸۴)

رفتہ رفتہ مہاجرین بین الاقوامی تجارت میں حصہ دار بن گئے اور شام ویمن اور دوسرے ملکوں کا سفر کر کے سامان درآمد کرنے لگے۔ (بخاری: ۵/۱۱۱)

مہاجرین بہت مختصر عرصہ میں مدینہ کی تجارتی منڈیوں میں سرگرم رول ادا کرنے لگے اور جائز طریقہ پر انھوں نے خوب دولت حاصل کی۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبد الرحمن بن عوف جیسے کبار صحابہ کو اس کاروبار میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ انھوں نے یہ دولت جمع کر کے نہیں رکھی بلکہ سب کی سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔ روایتوں

میں آتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف جب مدینہ آئے تھے تو وہ بالکل خالی ہاتھ اور مفلس تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مواخات سعد بن ربیع سے کرائی تھی جو مدینہ کے مالداروں میں سے تھے۔ سعد نے پیش کش کی کہ دولت آدھا آدھا تقسیم کرلیں مگر حضرت عبدالرحمن نے انکار کردیا اور معمولی سطح پر تجارت شروع کی۔ وہ بنوقینقاع کے بازار میں خرید وفروخت کرتے تھے اور زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ان کا شمار بڑے مال داروں میں ہونے لگا۔ (بخاری: ۳/۶۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تجارت پر ابھارا اور اس کی حوصلہ افزائی کی کیوں کہ مسلمان مالی تنگی اور معاشی مشکلات سے دوچار تھے، جس کا ازالہ تجارت کے بغیر ممکن نہیں تھا اور دولت کے بغیر طاقت ور حریف اور دشمن کا مقابلہ آسان نہیں تھا۔ مدینہ میں ان کے دشمن یہود تھے اور مدینہ سے باہر مشرکین اور یہ دونوں مالی اعتبار سے نہایت طاقت ور تھے۔ انھی تاجر پیشہ صحابہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ بیع وشرا میں مشغول رہتے مگر جب اللہ کے حق کی ادائیگی کا وقت آجاتا تو انھیں نہ تجارت غافل کرتی اور نہ کوئی دوسری چیز: رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور: ۳۷)

ترجمہ: جنھیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز وادائے زکوۃ سے غافل نہیں کرتی، وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آجائے گی۔

کھیتی باڑی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی

ماحول کے اعتبار سے مدینہ کی سرزمین معتدل تھی اور آبی وسائل بھی مہیا تھے اس لیے یہ زراعت کے لیے موزوں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ کے باشندوں نے خواہ مسلمان ہوں یا یہود وغیر مسلم کاشتکاری کو اپنایا۔ یہ خود اپنی زمینوں میں کام کرتے تھے اور کچھ لوگ دوسروں کی زمینوں میں اجرت پر بھی کرتے تھے۔ (بخاری: ۴/۳۰۴) مدینہ والوں کی معیشت کا انحصار زیادہ تر زراعت پر تھا مگر جنگ وجدال کی وجہ سے لوگ اس پر توجہ دینے سے قاصر تھے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ وجدال کا خاتمہ کرکے اور امن وامان بحال کرنے کے بعد ماحول اس قابل بنادیا کہ لوگ اس شعبہ پر توجہ دے سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد انصار کو زراعت پر توجہ دینے کی تاکید کی اور مہاجرین کو اس میں دخل اندازی سے منع کیا، مگر جب انہیں بھی اس کا تجربہ ہوگیا تو اس کی اجازت دے دی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کھجور کے باغات ہمارے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم فرمادیں تو آپ نے فرمایا: نہیں، اس کے اخراجات اور محنت ومشقت سے ہمیں بری کردو اور ہم تمہارے ساتھ پھلوں اور غلوں میں شریک ہوں گے تو انصار نے کہا: آپ کی بات ہمارے سر آنکھوں پر۔ (بخاری: ۳/۱۳۶-۳۔ فتح الباری: ۷/۱۱۳)

کتانی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمینوں کی تقسیم اور مہاجرین کو کاشتکاری میں مشغول ہونے سے ابتدا میں اس لیے روک دیا کہ وہ جہاد وقتال اور دعوت وتبلیغ میں وقت لگاسکیں۔ (التراتیب الاداریۃ: ۲/۴۵۔ المجتمع المدنی فی عہد النبوۃ: ص ۴۷)

صنعت وحرفت اور آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت

مدینہ منورہ کے اندر اسلام سے پہلے بھی بعض صنعتیں قائم تھیں مگر اسلام نے آکر اس کی حوصلہ افزائی کی اور اس کی نئی صورت گری کی۔ مدینہ میں قائم ہونے والی صنعتیں زیادہ تر وہ تھیں جس کی بنیاد ان خام مالوں پر تھی جو مقامی طور پر پیدا کیے جاتے تھے جیسے کھجوروں کو سکھانے، اسے اسٹور کرنے، اسے بیچنے کے قابل بنانے یا تحریم سے پہلے شراب تیار کرنے کی صنعتیں۔ (بخاری: ۷/۱۳۶) اسی طرح کھجور کی شاخوں، پتیوں اور تنوں سے بہت سی چیزیں تیار کی جاتی تھیں جسے گھروں میں یا زرعی شعبہ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ فرنیچر، تعمیراتی اشیا اور اس طرح کے شعبوں میں کام آنے والی چیزیں بھی تیار کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ دوسری بھی صنعتیں تھیں جیسے لباس، بستر، گدے، تکیے، مشکیزے، گیلن، جوتے، چپل اور اس نوعیت کی چیزیں۔ (الاصابۃ: ۴/۲۸۶)

یہاں لوہار کا کام بھی ہوتا تھا۔ لوہے سے مختلف ساز وسامان اور ہتھیار بنانے کی صنعتیں قائم کی گئیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت قاسم کو دودھ پلانے کے لیے جہاں رکھا گیا اس دائی کے شوہر لوہار تھے۔ مدینہ کی مشہور صنعتوں میں سے ایک جیولری بھی تھی اور زیورات کی تیاری میں اسے شہرت حاصل تھی، بہت سے صحابہ اس صنعت سے وابستہ ہوگئے تھے۔

(بقیہ ص ۳۷ پر)

اصلاح مفاسد کے لیے مفید تجاویز

سماجی کام کرنے والوں کو خدمت خلق کے ساتھ ساتھ اصلاح رسوم پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے

از: مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی

یہ امر یقینا قابل افسوس ہے کہ جو مسلم قوم دوسروں کو راہ راست پر لانے کے لیے وجود میں آئی تھی آج وہ خود طرح طرح کی بداعمالیوں میں گھری ہوئی ہے۔ اس کے اسباب میں ایک تو جہالت ہے دوسرے اسلامی سطوت وشوکت کا فقدان بھی۔ جہاں تک علما واکابر اور قائدین ملت کا سوال ہے وہ برابر تقریر وتحریر کے ذریعے اپنا فرض پورا کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بالعموم علما کے ارشادات پر قوم توجہ ہی نہیں دیتی۔ اگر کچھ لوگوں نے توجہ دی تو ان کی تعداد دال میں نمک کے برابر یعنی بہت کم ہے۔ چنانچہ آج بھی امت میں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو یا تو خود سے مفاسد کا احساس کر کے لغویات وخرافات سے دست کش رہتے ہیں یا پھر علما وقائدین کے فرمودات کا اثر قبول کر کے غلط مراسم سے پرہیز کرتے ہیں۔ البتہ کچھ غلط طبیعت کے افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف یہی نہیں کہ موعظت ونصیحت قبول نہیں کرتے بلکہ نصیحت کرنے والوں پر ناراض ہو کر غصے اتارتے ہیں۔ یہ گناہ اتنا بڑا ہے کہ خود اس غلطی سے بھی کئی گنا بڑا ہے جس پر انہیں تنبیہ کی جاتی ہے، کیوں کہ گناہ تو گناہ ہی ہوتا ہے اس پر اڑے رہنا اور منع کرنے والے کو برا جاننا گناہ کے ساتھ سرکشی بھی ہے اور سرکشوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ سرکشی کا دوسرا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ سرکش اپنے گناہ سے جلد توبہ نہیں کرتا بلکہ ضد کی وجہ سے اس پر اڑا رہتا ہے۔ ایسے لوگ سن لیں کہ اللہ سرکشوں کو پسند نہیں فرماتا۔ ارشاد خداوندی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ (سورۂ بقرہ: ۲/۱۹۰)

ترجمہ: بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں رکھتا۔

اور فرماتا ہے رب عزوجل: اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ۔ (سورۂ ق: ۵۰/۲۴)

حکم ہوگا (فرشتوں کو) تم جہنم میں ڈال دو، ہر بڑے ناشکرے ہٹ دھرم کو۔

تو جو لوگ نصیحت اور اصلاح کی باتوں پر کان نہیں دھرتے اور مصلح کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی اور سرکشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ناصح ہی پر زیادتی کرنے لگتے ہیں وہ اپنا انجام معلوم کر لیں کہ قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ایسوں کو جہنم میں ڈال دیں لہٰذا آدمی کو چاہیے کہ گناہ کرے تو اللہ کے عذاب اور اس کے برے انجام سے ڈرے، ضد اور ہٹ دھرمی نہ کرے کیوں کہ اس کا انجام بڑا بھیانک ہے۔ واضح ہو کہ ڈرنے اور شرمندہ ہونے والوں کو تو توبہ کی توفیق ملتی ہے مگر ضدی اور سرکش کو بہت کم توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے ان بھائیوں کو چاہیے جو رسوم بد میں لت پت ہو کر زندگی گزارتے ہیں وہ جلد توبہ کر لیں اور علمائے دین جو ان کے دشمن نہیں بلکہ دوست اور خیر خواہ ہیں ان کی اصلاحی کوششوں کا خیر مقدم کریں۔ ورنہ شرمندگی اور ندامت کے لیے ضرور تیار ہو جائیں۔

اصلاحی کوششوں کو قبول کرنے کا جذبہ ہمارے بھائیوں کے اندر کیسے پیدا ہوگا؟ یہ بات قابل غور ہے، اللہ توفیق دے تو بہت آسان ہے ورنہ ہمیں اپنی کوششوں کو تو جاری ہی رکھنا چاہیے۔ اس میں علما و قائدین کے ساتھ عام دانش ور حضرات اور قوم کے بااثر لوگ بھی بھرپور توجہ دیں تو کام آسان ہو سکتا ہے۔ علما تو ایک عرصے سے چیخ رہے ہیں اور حرام وناجائز کاموں اور بری رسموں کے خلاف قلمی ولسانی جہاد کر رہے ہیں مگر بالعموم ان کی آواز صدا بصحرا ہی ثابت ہوتی ہے لہٰذا اگر ہمارا بااثر طبقہ اس سلسلے میں ساتھ دے اور جد وجہد کرے تو کامیابی کی زیادہ امید ہے۔ عوام اور بگڑے ہوئے افراد کو سدھارنے کے لیے ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں جس کا استعمال کر سکیں، وعظ ونصیحت اور اخلاقی دباؤ کے سوا ہم کیا کر سکتے ہیں البتہ اس سلسلے میں جو لوگ بھی بے دار ہیں انہیں اپنے اپنے دائرۂ اثر میں اصلاحی فریضہ انجام دیتے رہنا چاہیے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا) علم ہونے کے بعد ہر ایک مسلمان مرد وعورت پر حسب استطاعت فرض ہے۔ خلیفہ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ

علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''امر بالمعروف یہ ہے کہ کسی کو اچھی بات کا حکم دینا مثلاً کسی سے نماز پڑھنے کو کہنا اور نہی عن المنکر کا مطلب یہ ہے کہ بری باتوں سے منع کرنا۔ یہ دونوں چیزیں فرض ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران: ۳/ ۱۱۰) تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ احادیث میں ان کی بہت تاکید آئی اور اس کے خلاف کرنے کی (یعنی اس فریضے سے غفلت برتنے کی) مذمت فرمائی۔

(بہار شریعت: حصہ شانزدہم، ص ۲۱۹، ۲۲۲، مطبوعہ بریلی)

ہمارے درمیان ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو مفاسد کے سد باب کی کوشش کے بجائے الزام تراشیوں میں لگا ہوا ہے اور مسلسل عوامی غلطیوں اور ناجائز و غلط رسموں کو سنی علما کے سر تھوپنے اور انہیں ہمارے مسلک حق کی نشانی قرار دینے میں لگا ہوا ہے جب کہ ہمارے اکابر علمائے اہل سنت برابر اس بات کی صراحت کرتے چلے آئے ہیں کہ یہ رسوم ہمارے مسلک سے خارج ہیں ان کا تعلق محض عوامی عمل سے ہے ہمارے مسلک اہل سنت و جماعت سے ان کا کوئی رشتہ نہیں۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ جو عوام ان غلط رسموں پر چلتے ہیں اگر وہ مسلمان ہیں مرتد اور کافر نہیں ہوئے ہیں تو جو بھی جماعت اپنے کو مسلمان کہتی ہے وہ بھی ان اعمال بد کی ذمہ دار ہے اور سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان خرافات کا قلع قمع کریں لیکن اعتدال کے ساتھ۔ اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی جس درجے کی ہے اس پر اسی درجے کا حکم لگایا جائے، جو ناجائز ہے ناجائز کہا جائے، جو حرام ہے حرام کہا جائے، اور اگر واقعی کوئی عمل شرک کا حکم رکھتا ہے تو اسی کو شرک کہا جائے اور شرک کی قباحت خوب اچھی طرح واضح کی جائے، اور جو عمل شرک نہ ہو اس کو شرک کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہے اس کو مشرک اور کافر کہا گیا جو خود بہت بڑا گناہ ہے تو یہ کون سی عقل مندی ہے کہ کسی کو گناہ سے بچانے کے بجائے خود اس سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر لیا جائے اور اس کا نام اصلاح رکھا جائے۔ آخر شراب جوے کی حرمت پر تو سب کا اتفاق ہے یہ برائیاں سب مل کر کیوں نہیں ختم کرتے جب کہ یہ سب کی ہی ذمہ داری ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برائیاں دور کرنا مقصود نہیں صرف سنیوں کو بدنام کرنا اصل مقصد ہے۔

اب ہم ذیل میں چند عنوانات پر مختصراً کچھ روشنی ڈال کر چند تجاویز پیش کریں گے تاکہ اصلاح کی راہ میں مؤثر پیش رفت ہو سکے اور معاشرے میں سدھار لایا جا سکے۔

مروجہ تعزیہ داری

تعزیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ بادشاہ تیمور لنگ نے ایجاد کیا ہے۔ وہ ہر سال کربلائے معلیٰ جاتا تھا ایک سال کسی وجہ سے نہ گیا تو اس نے روضہ امام عالی مقام سیدنا حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل بنائی تاکہ اس کو دیکھ کر اسے کچھ سکون میسر آئے اور امام حسین کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے نقشے بنانا شرعاً ممنوع و ناجائز نہیں۔ ساری دنیا کے مسلمان صدیوں سے روضۂ رسول اور کعبہ پاک کے نقشے بناتے ان کا احترام کرتے اور بطور یادگار گھروں میں سجاتے چلے آرہے ہیں۔ یوں ہی دیگر بزرگوں کے مزارات اور قبوں کے نقشے بھی بلا نکیر بنائے جاتے رہے اور بنائے جارہے ہیں۔ البتہ بات خراب اس وقت ہوئی جب اس نقشۂ روضۂ امام کے ساتھ طرح طرح کی بدعات و خرافات اور کچھ غلط اعتقادات نے شمولیت اختیار کر لی مثلاً دھوم دھڑا کے اور باجوں کے ساتھ اس کا گشت بعض مقامات پر ڈانس بھی ہونے لگا ہے۔ یوں ہی تعزیے کے جلوس میں تماشابین کی حیثیت سے عورتوں کی بھیڑ بھاڑ، فرضی بنی ہوئی قبروں کو قبر امام سمجھ کر ان کی تعظیم، تعزیہ یا امام چوک کا طواف، تعزیہ سے منتیں مانگنا، بندر، گھوڑے کبوتر وغیرہ کی تصاویر یا مجسمے بنا کر ان کے ساتھ طرح طرح کے تصورات قائم کرنا یا ان سب کا اعزاز و احترام سے گھمانا پھرانا وغیرہ ایسی خرافات ہیں جن کا دین اور شریعت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ظاہر ہے یہ سب کام ممنوع و ناجائز اور حرام ہیں جن کا بند ہونا ضروری ہے۔ کہیں کہیں تعزیے کے ساتھ نوحہ خوانی بھی ہوتی ہے جو بہ نصِ حدیث ناجائز اور رافضیوں کا شعار ہے۔ سینہ کوبی اور گریبان چاک کرنا، سر پر خاک یا بھوسا اڑانا بھی ناجائز ہے۔ ہاں صرف اہل بیت اطہار و امام عالی مقام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب اور صحیح واقعات پر مشتمل شہادت نامے نظم یا نثر میں ہوں تو ان کے پڑھنے میں حرج نہیں۔ ہاں واقعات شہادت سننے کے وقت اگر کسی کی آنکھ از خود نم ہو جائے تو اس میں حرج نہیں کہ جو کام بے خودی میں صادر ہوتا ہے اس پر حکم نہیں اور محض آبدیدہ ہونا شرعاً کوئی ناجائز

فعل بھی نہیں جب کہ یہ تصنع اور تکلف سے پاک ہو۔

مروجہ تعزیہ داری جس کا ایک نقشہ اوپر پیش کیا گیا، یہ کب سے شروع ہوئی اس کی تفصیل اور تاریخ تو معلوم نہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ ساری خرافات زیادہ پرانی نہیں، دو تین سو سال پرانی ہوسکتی ہیں۔ ہمیں اس کی زیادہ تحقیق کی بھی ضرورت نہیں لیکن یہ حق اور صحیح ہے کہ ان خرافات کا علماے اہل سنت و جماعت نے شروع ہی سے رد کرنا ضروری سمجھا اور رد کیا بھی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی پھر ان کے شاگرد خاتم الاکابر حضرت مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ کے نبیرہ حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمہ نے ان رسوم کے خلاف سراج العوارف میں قلم اٹھایا۔ پھر حضور سیدنا آل رسول احمدی علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ (اور خلیفہ نوری میاں) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے اور ان کے خلیفہ صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت نے اور پھر حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی (تلمیذ وخلیفہ حضرت صدرالافاضل مرادآبادی) علیہم الرحمہ نے اور اس کے بعد بھی متعدد علماے اہل سنت نے اپنی اپنی تصانیف میں خرافاتِ تعزیہ کے خلاف آواز اٹھائی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا ایک مستقل رسالہ ہے ''رسالہ تعزیہ داری'' جس میں تعزیہ سے متعلق تمام خرافات کا خوب رد کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی کتابیں آج بھی مسلسل اشاعت پذیر ہیں لیکن اولاً تو تعزیہ دار حضرات ان کتابوں کو پڑھتے ہی نہیں کہ اکثر جاہل ہی ہیں یا پڑھتے ہیں تو ماننے کو تیار نہیں۔ ماہ محرم میں شہادت کے بیان میں بھی علماے کرام ان خرافات کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کر ہی کیا سکتے ہیں۔ راقم الحروف کی ایک کتاب ''مراسم محرم'' اس موضوع پر نہایت مفید اور موثر کوشش ہے اسے منگا کر پڑھنا چاہیے اور مسلمانوں کو خاص کر تعزیہ داروں میں تقسیم کرنا چاہیے۔ یہ کتاب المجمع الاسلامی ملت نگر، مبارک پور اعظم گڑھ یوپی (276404) سے منگائی جاسکتی ہے۔

مزارات پر عورتوں کی حاضری

مزارات اولیا ومقابر مسلمین پر عورتوں کے جانے کے بارے میں قدیم زمانے سے علما میں اختلاف رہا ہے۔ کچھ علما جواز کے قائل رہے ہیں اگر چہ جواز کے قائلین بھی بہت سی شرطیں لگاتے ہیں کہ جن کا پورا کرنا آج کل کی عورتوں سے متوقع نہیں۔ وہ تو تمام حدود کو توڑ کر جانا چاہتی اور جاتی ہیں اور پوری تفریح بھی کرتی ہیں۔ بے پردگی اور راستوں میں جہاں ٹھہرتی ہیں خوب بے حیائی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ ہمارے معتمد اور اکابر علماے اہل سنت نے ان بے حیائیوں کے مظاہرے کے خلاف بھی بھرپور قلم اٹھایا ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے تو اس موضوع پر مستقل دو رسالے تحریر کیے ہیں، ایک کا نام ہے جَمَل النور فی نهی النساءِ عن زیارةِ القبور جس کا عرفی نام ''مزارات پر عورتوں کی حاضری'' ہے۔ دوسری کتاب ہے مروج النجا لخروج النساء جو بنام ''اسلامی پردہ'' شائع ہوئی ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں بھی جگہ جگہ اعلیٰ حضرت نے مزارات پر عورتوں کی حاضری کی ممانعت کی ہے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

''امام قاضی سے استفتا ہوا کہ عورتوں کا مقابر کو جانا، جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا ایسی جگہ جواز وعدم جواز (یعنی جائز، ناجائز ہونا) نہیں پوچھتے۔ یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے، اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے۔ جب گھر سے باہر نکلتی ہے سب طرفوں سے شیاطین اسے گھیر لیتے ہیں۔ جب قبر تک پہنچتی ہے میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے۔ جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: امام احمد رضا، جلد چہارم، ص ۱۷۳، سنی دارالاشاعت مبارک پور)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی بہار شریعت میں فرماتے ہیں: اسلم (زیادہ سلامتی کا راستہ) یہ ہے کہ عورتیں مطلق (یعنی جوان بوڑھیاں سب) منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں تو وہی جزع وفزع (رونا دھونا) کریں گی لہٰذا ممنوع ہے اور صالحین (بزرگوں) کی قبور پر تعظیم میں حد سے گزر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

(بہار شریعت: ۴/۱۶۱)

دیکھا آپ نے یہ ہے امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا ارشاد اور ان کا مسلک۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی مزارات پر عورتوں کی حاضری کے جواز کا الزام علماے اہل سنت یا اعلیٰ حضرت پر رکھتا ہے تو کس درجہ غلط ہے اور خلاف واقعہ بھی۔

قبر پر اگربتی موم بتی جلانا

عین مزار پر تو موم بتی، اگربتی جلانا ہی نہیں چاہیے ہاں مزارات سے دور جلا سکتے ہیں جب کہ روشنی اور خوشبو کی ضرورت ہو۔ جہاں کوئی

رہنے والا یا آنے جانے والا نہ ہو نہ مزار لبِ راہ ہو کہ آنے جانے والوں کو اس کے لحاظ کی ضرورت ہو تو نہ روشنی کی ضرورت ہے نہ ہی خوشبو کی کیوں کہ روشنی یا خوشبو سے مزارات یا قبور میں جو حضرات مدفون ہیں ان کو تو کوئی فائدہ ملنے والا نہیں اور دوسرے زندہ لوگ نہ وہاں موجود نہ حاجت مند تو یہ اسراف ہے اور اسراف ناجائز و گناہ۔ جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مزارات یا قبور پر محض روشنی کرنا یا بلاضرورت خوشبو سلگانا بھی کوئی کارِ ثواب ہے حالاں کہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا یہ جاہلوں کا فعل ہے اس سے ہمارا مسلک پاک ہے۔ ہاں جن مزارات اولیا پر لوگ برابر آتے جاتے رہتے ہیں وہاں موم بتی یا کوئی چراغ جلا سکتے ہیں یوں ہی خوشبو کا بھی اہتمام کر سکتے ہیں تا کہ واردین صادرین (آنے جانے والوں) کی خوشی کا باعث ہو کہ مسلمان کے دل میں خوشی پیدا کرنا بھی صدقہ اور ثواب ہے اور روشنی و خوشبو کی وجہ سے آنے والوں کو وحشت بھی نہیں ہوگی بلکہ انہیں اُنس حاصل ہوگا۔ اور اگر مزار اولیاء اللہ میں کسی کا ہے تو اس کی عظمت وشان ظاہر کرنے کے لیے بھی روشنی کر سکتے ہیں تا کہ عوام کے قلوب میں ان کی عظمت بیٹھے اور لوگ فیوض و برکات حاصل کریں۔ یہ بھی وبا ہے کہ مزارات عام شاہ راہوں پر ہوں اور جہاں آنے جانے والے ہوں وہاں بھی اعتدال کے ساتھ ہی اگر بتی وغیرہ جلانا چاہیے۔ کہیں کہیں مزارات پر اس قدر دھونی کی جاتی ہے کہ وہاں ٹھہرنا اور فاتحہ پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے لہٰذا یہ ضرور اسراف ہے اور لوگوں کو تکلیف پہنچانا بھی۔ جو اولیا کے مزارات پر آتا ہے اس کو وحشت میں ڈال کر بھگانا کون سا ثواب کا کام ہے لہٰذا ایسی حرکتوں سے بھی بچنا ضروری ہے اور اسراف تو کھلا ناجائز ہے۔

سجدۂ مزار اور طواف قبر

مزارات اولیا یا کسی بھی قبر پر جا کر سجدہ کرنا سراسر حرام ہے اور اگر عبادت کی نیت سے ہو تو یقیناً کفر بھی ہے جس سے بچنا لازم و ضروری ہے اور تعظیماً مزارات کا طواف جائز نہیں، ہاں اس کو کفر و شرک بھی نہیں کہہ سکتے کہ شرعاً اس کی کوئی دلیل نہیں اور بے دلیل کسی فعل کو کفر یا شرک کہنا خود بہت بڑا گناہ ہے ہاں طواف مزار منع ضرور ہے۔

باجے کے ساتھ جلوس چادر

بعض مقامات پر مزارات اولیاء اللہ کی چادر پوشی سے پہلے ساؤنڈ اور بینڈ باجے کے ساتھ چادر کا گشت اور اس میں عام مردوں کے ساتھ عورتوں کی شرکت ہوتی ہے جو بہرحال منع اور ناجائز ہے 56

جلوس میں عورتوں کی شرکت

بے پردہ عورتوں کو تو بغیر ضرورت نکلنا ہی جائز نہیں چہ جائے کہ مردوں کے ساتھ کسی بھی جلوس میں ان کا اختلاط اور باجے گاجے اور تماشوں میں ان کی شرکت، جس کی شریعت میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ اِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ یعنی عورت پردے کی چیز ہے جب وہ (بے پردہ) نکلتی ہے شیطان اس کو جھانکتا ہے۔ (ترمذی شریف: ۱/۱۴۰، مجلس برکات اشرفیہ مبارک پور)

دین دار اور اللہ و رسول سے ڈرنے والی عورتوں کے لیے یہی ایک ارشاد کافی ہے۔ کاش ہماری اسلامی مائیں اور بہنیں اس کو غور سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔ پھر اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور غور کریں کہ وہ بلاضرورت اور بے پردہ باہر نکل کر کس کو خوش کر رہی ہیں۔ اللہ و رسول کو یا شیطان لعین کو۔ اللہ تعالیٰ اسلامی خواتین کو دین سمجھنے اور دین پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ و آلہ الصلاۃ و التسلیم۔

کونڈے کی فاتحہ اور غیر ضروری امور

کونڈے کی فاتحہ میں جو غیر ضروری پابندیاں کچھ جاہلوں نے لگا رکھی ہیں وہ بالکل غیر شرعی اور غیر ضروری ہیں۔ کونڈے کی فاتحہ بھی دیگر فاتحہ کی طرح ہے۔ جہاں پکے وہیں کھایا جائے اور نئی ہانڈی، نیا چولھا وغیرہ لوازم کا شریعت میں کہیں حکم نہیں، ہاں فاتحہ کے سامان کے لیے جس قدر پاکیزگی کا اہتمام ہو سکے اچھا ہے اور یہ ہر فاتحہ کے لیے بہتر ہے۔ نہ کہ صرف کونڈے کے فاتحہ کے لیے۔

رات بھر کے جلسے

رات کے اخیر حصے تک جلسوں اور محافل کا انعقاد یقیناً نمازوں کے قضا ہونے کا سبب بن جاتا ہے جب کہ دینی جلسہ اور محفلِ خیر کے بعد آدمی کو اور زیادہ نمازوں کا پابند ہوجانا چاہیے۔ اس لیے نصف شب کے بعد ان محافل کو جاری رکھنا ہرگز مناسب نہیں، سوائے ان صورتوں کے کہ اختتام جلسہ پر سب سامعین کو نماز پڑھنے کے لیے روکا جائے۔ یہ ایک ایسی قباحت اور نقصان ہے جس پر تمام دین دار علما و مشائخ کا

اتفاق ہے۔ اکثر نجی محفلوں میں اس کا ذکر ہوتا ہے اور اس پر روک لگانے کی بات کہی جاتی ہے مگر افسوس کہ اس پر عمل درآمد نہیں ہو پاتا اور زیادہ افسوس تو اس وقت ہوتا ہے کہ عین اذانِ فجر کے وقت جلسہ ختم ہوتا ہے اور مسجدوں میں چند افراد ہی نماز میں نظر آتے ہیں۔ باقی منتظمین جلسہ اور بہت سے مقررین لفافوں اور ٹرینوں کی فکر میں سرے سے نماز ہی ترک کر دیتے ہیں جس کی قباحت اظہر من الشمس ہے۔

اصلاح مفاسد کے لیے چند تجاویز:

اب ان مفاسد کی اصلاح کے لیے چند تجاویز بھی پیش ہیں۔ اگر ان پر عمل کیا گیا تو امید ہے کہ معاشرے کے مفاسد کی بہت کچھ اصلاح ہو سکے گی۔

(۱) علما و مقررین چھوٹے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں میں معاشرے میں پھیلی ہوئی غلط رسموں کے خلاف بار بار آواز اٹھائیں اور انداز بیان تلخ نہ ہو بلکہ نرم اور داعیانہ ہو تاکہ اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں۔

(۲) ائمہ مساجد جمعہ کی تقریروں میں اگر گاہے بہ گاہے معاشرے کی خرابیوں پر روشنی ڈالیں اور ان کی اصلاح کی کوشش کریں تو اس سے بھی بہتر نتائج برآمد ہونے کی امید ہے۔ بعض ائمہ کرام اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کے بہتر نتائج بھی سامنے آتے ہیں۔ مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

(۳) عشرۂ محرم میں روزانہ یعنی دس روزہ بیانات کا اہتمام کیا جائے تو فضائل ومناقب اور واقعات صحابہ واہل بیت کے ساتھ اصلاح معاشرہ پر بھی توجہ دی جاسکتی ہے۔ دس روزہ اجلاس میں دشواری ہو تو کم از کم دسویں محرم کو ضرور جلسہ ذکر شہادت منعقد کیا جائے اور علما سے محرم کی غلط رسموں کے خلاف بیان کرنے کی گزارش کی جائے اور یہ جلسہ روزانہ صرف دو گھنٹہ تک ہی جاری رہے مثلاً بعد نماز عشا ۸ یا ۹ تا گیارہ بجے۔

(۴) ایسے لٹریچر (کتابچے) جو اصلاح معاشرہ کے موضوع پر ہوں ان کو اردو کے ساتھ ہندی انگریزی اور دوسری علاقائی زبانوں میں شائع کر کے گھر گھر پھیلایا جائے تو تقریروں کے مقابلے اس سے کچھ زیادہ ہی فائدہ ہوگا۔

(۵) تعزیہ اور اکھاڑے کے جو ذمہ دار حضرات ہیں ان سے براہ راست مل کر ان کو سمجھایا جائے کہ جو کام شرعاً ناجائز ہیں ان کو چھوڑ دینے ہی میں بھلائی ہے، ان غلط کاموں سے قوم مسلم بدنام بھی ہوتی ہے اور دوسری قومیں ہماری ان ناجائز حرکتوں پر ہنستی ہیں جس کی وجہ سے ہمارا وقار مجروح ہوتا ہے۔

(۶) لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی بٹھائی جائے کہ جو کام شرعاً ناجائز ہے اس میں پیسہ صرف کرنا بھی اسراف ہے اور اسراف ناجائز ہے اور قرآن فرماتا ہے: اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ (اسرا: ۱۷/ ۱۸) بے شک فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ کہ انہیں کے راستے پر چلتے اور ان کی ہی پیروی کرتے ہیں۔

کچھ شان وشوکت کا بہانا بنا کر ان ناجائز رسموں کو جاری رکھنے پر مصر ہوتے ہیں، ان کو سوچنا چاہیے کہ کیا اسلام کی شان وشوکت ناجائز وحرام کاموں سے ظاہر یا دوبالا ہوگی؟۔ اسلام تو پاکیزہ مذہب ہے وہ پاکیزگی کو فروغ دینے کی دعوت دیتا ہے، اسلام کی شان وشوکت تو مساجد کی آبادی اور نمازیوں کی کثرت سے دوبالا ہوگی۔ اسلام کی شان تو سچائی اور ایمان داری کو اپنا شعار بنانے سے ظاہر ہوگی۔ یوں ہی دیگر اخلاقی قدروں کو اجاگر کرنے سے اسلام کا نام بلند ہوگا نہ کہ ناجائز رسموں سے۔

(۷) امام حسین اور دیگر اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کے پاکیزہ واقعات اور قابل عبرت پہلوؤں کو تقاریر میں اجاگر کیا جائے اور یہ بات بھی ذہن نشین کرائی جائے کہ حضرت امام عالی مقام کے کردار کا سب سے اہم پہلو حق کے لیے مر مٹنے کا جذبہ بیدار کرنا ہے اور ہم ان کے ماننے والے بن کر ناحق کاموں سے امام عالی مقام کو بھلا کیسے خوش کر سکتے ہیں کیوں کہ جن کاموں سے اللہ اور اللہ کا رسول ناراض ہو بھلا اس کام سے امام حسین اور شہداے کربلا کیسے خوش ہو سکتے ہیں؟ اگر صحیح طریقے سے تفہیم ووعظ کا سلسلہ جاری کیا جائے تو محرم الحرام کے تعلق سے ہونے والی برائیاں بہت جلد دور ہو سکتی ہیں اور تعزیہ داری کی خرافات کا بھی جنازہ نکل سکتا ہے۔

(۸) خاص طور سے وہ حضرات جو خانقاہوں میں بیٹھے رشد و ہدایت کا کام انجام دیتے ہیں انھیں بھی اس سلسلے میں پیش رفت کرنی چاہیے۔ اگر خانقاہوں کے بیدار مغز اور اصلاح پسند حضرات دیگر کارہائے خدمتِ خلق کے ساتھ اصلاح رسوم کے رخ پر بھی توجہ دیں تو ان کے اثرات سے بھی بڑے فوائد کی توقع ہے۔

●●

نماز ہماری سماجی ضرورت بھی ہے

از: مولانا سجاد نجمی برکاتی

آپ کے ساتھ بھی شاید کبھی ایسا ہوا ہو کہ کسی دوست کو خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ آپ نے یہ کہا ہو کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اور انہوں نے یہ جواب دیا ہو کہ نماز پڑھ کر کون بڑا آدمی بن گیا ہے، یہ جملہ ہمارے کانوں نے بہت سنا ہوگا، لیکن شاید حکم شرعی جاننے کے علاوہ کسی اور طرف ہماری توجہ نہیں گئی ہوگی، بہ ظاہر یہ ایک جملہ ہے لیکن درحقیقت ایک زہر آلود فکر کی غماز ہے، جو سماج میں عبادات کے تعلق سے سدراہ بنی ہوئی ہے، اور وہ فکر ہے عبادات میں بھی دنیوی فائدے ڈھونڈنا۔

اس زہر آلود فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ نماز اور دوسری عبادتوں سے اس لیے بھی دور بھاگ رہے ہیں کہ ان میں انہیں کوئی ذاتی فائدہ نظر نہیں آتا، اگر نماز پڑھ کر ان کے چند اپنے مسائل سلجھ جائیں تو نماز کے لیے دوڑ پڑیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز کسی ذاتی فائدے کے پیش نظر مشروع نہیں کی گئی، اس سے مقصود خدا کی خوشنودی اور اس کے حضور اپنی بندگی کا نذرانہ پیش کرنا ہے، یہ نماز کا مطلوب پہلو ہے جسے خوب اجاگر کیا گیا ہے، لیکن نماز کے ساتھ جڑے جو دوسرے فوائد ہیں جو ایک نمازی کی زندگی سے چھلکتے دکھائی دیتے ہیں، ان فوائد سے چشم پوشی بھی ممکن نہیں۔ اس مضمون میں نماز کی سماجی ضرورت کو اجاگر کرکے دراصل لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول کرانا ہے کہ نماز پڑھ کر صرف جنت نہیں ملے گی بلکہ دنیا میں بھی ایک پرسکون زندگی نماز جیسی عبادت کی ادائیگی سے حاصل ہوگی۔

سماج کی ترقی کا پہلا زینہ نماز

کوئی سماج ایک قدم بھی اُس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا، جب تک اس میں بسنے والوں میں اُخوت و محبت کے جذبات نہ ہوں، اُخوت کے جذبے سے صرف زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ عملی طور پر زندگی میں اس کے اثرات بھی دِکھنا چاہیے، یوں تو پورا اسلام اُخوت و محبت سے عبارت ہے لیکن اس کا عظیم مظہر نمازِ باجماعت ہے، نماز کے لیے جب جماعت کھڑی ہوتی ہے، تو منظر ایسا ہوتا ہے کہ پہلے آنے والا غریب پہلی صف میں کھڑا ہوتا ہے، اور بعد میں آنے والا امیر آخری صف میں کھڑا ہوتا ہے، کمزور طاقت ور کے شانے سے شانہ ملا کر کھڑا ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ آپس میں حد درجہ عداوت رکھنے والے ایک دوسرے کے بالکل قریب کھڑے ہوجاتے ہیں، اسلامی تعلیمات کا نہایت حسین منظر پیش کرنے والا یہ عمل یقیناً قابل دید ہوتا ہے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ جب سماج کے باشندگان دن رات میں پانچ مرتبہ اُخوت کا جذبہ تازہ کریں گے اور بار بار اس عمل کے دہرانے سے اسلام کا تصور مساوات ان کے دل و دماغ میں رچ بس جائے گا، تو یقیناً مسجد سے باہر اس کے عملی مظاہر دکھائی دیں گے۔ نماز کو باجماعت مشروع کرنے میں ایک اہم پیغام یہ بھی دینا ہے، جماعت کی فضیلت کے تعلق سے بہت ساری حدیثیں ہیں، جن سے مقصود جہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب ہے وہیں یہ پیغام دینا بھی ہے کہ مسلم سماج کے تمام باشندگان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

آج مسلم سماج میں نفرتوں کی آگ لگی ہوئی ہے، باپ بیٹے میں اتحاد نہیں، بھائی بھائی میں اتفاق نہیں، ہر گھر میں نفرتوں کا زہر گھولا ہوا ہے، نفرتوں اور جھگڑوں کے اسباب پر روشنی ڈالتے وقت عموماً یہی بات کہی جاتی ہے کہ مزاج آپس میں میل نہیں کھاتے تحمل کی کمی ہوتی ہے، اسی طرح کے بہت سے اسباب کی نشان دہی کی جاتی ہے، جب کہ ایک سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کی تعلیمات سے ہم نے خود کو کوسوں دور کر رکھا ہے، سماج میں نمازیوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور جو ہے بھی تو جماعت کی پابندی کس قدر ہے؟ پھر تو سماج میں نفرتوں کا ڈیرا جمانا بجا ہے۔

یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ سماج میں ان گھروں میں جھگڑے بہت کم ہوتے ہیں جہاں چھوٹے بڑے سب نماز کی پابندی کرتے ہیں، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دراصل باجماعت نماز پڑھنے کے سبب جہاں روحانی تاثیر ملتی ہے وہیں اُخوت و بھائی چارگی کا جذبہ ایسا

تابندہ رہتا ہے کہ نمازی گھر تو گھر باہر بھی کسی کو نفرت بھری نگاہ سے دیکھنا گوارا نہیں کرتا، الغرض افراد سے سماج وجود میں آتا ہے، جب ہر فرد کے دل میں اُخوت کا جذبہ ہر دم فروزاں رہے گا، تو سماج نفرتوں سے پاک رہے گا، ہر طرف بھائی چارگی کی خوشبوئیں مہکے گی، نتیجتاً سماج لمحہ لمحہ ایک نیا ہدف حاصل کرتا نظر آئے گا۔

بے شمار جھگڑوں کا حل نماز

آج گھریلو اور دیگر جھگڑوں کے اسباب گناتے وقت عموماً ارباب دانش یہی بات دہراتے ہیں کہ غصے پر کنٹرول نہیں ہوتا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپے سے باہر ہوجانا، کہیں کا غصہ کہیں غصہ اتارنا، یہی چیزیں گھریلو جھگڑے کا سبب بنتی ہیں جب کہ اصل سبب تکبر ہے، گھر کا ایک سربراہ گھر میں کچھ کرتا ہے، یا کہتا ہے، تو اس کے دل ودماغ میں کہیں نہ کہیں یہ احساس چھپا رہتا ہے کہ میرے کہے یا کیے پر کوئی انگلی اٹھانے کی جسارت نہیں کرسکتا، اسی احساس کا نام تکبر ہے، ورنہ گھر میں راجا بننے والا اپنے کسی بڑے کے سامنے بڑی بڑی باتوں پر بت کی طرح بالکل خاموش رہتا ہے، اسی طرح ظلم کوئی یوں ہی نہیں کرتا، کمزوروں پر ہاتھ یوں ہی نہیں اٹھ جاتے، چھوٹوں کو ہاتھ کا کھلونا یوں ہی نہیں بنا لیا جاتا، ان تمام گناہوں کے پس پردہ اصل محرک احساس برتری ہے۔

نماز اسی تکبر کو توڑتی ہے، تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں تک لے جانے کے بعد ناف کے نیچے باندھ لینا دراصل نمازی کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ خدایا! اب دنیا سے میرا کوئی تعلق نہیں، اب تیرے حضور کھڑا ہوں، تجھے اپنا رب، معبود، خالق، رزاق مانتا ہوں، مولیٰ! سب کچھ تیرا ہے، میرا کچھ بھی نہیں، عاجزی کا سفر تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتا ہے، پھر رکوع کی شکل میں آگے بڑھتا ہے، پھر بندہ اپنے جسم کے سب سے باعظمت حصے یعنی پیشانی کو جسے وہ کہیں جھکانا پسند نہیں کرتا اسے اپنے رب کے حضور جھکا دیتا ہے، اور سچ پوچھیے! تو نماز میں یہی عاجزی مطلوب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ (المومنون۔آیت:۱،۲)

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔ (کنز الایمان)

عاجزی اور بندگی کا یہ عمل پانچ وقت دہرانے کے بعد بندگی کا تصور دل ودماغ میں رچ بس جائے گا، تو نماز کے باہر بھی زندگی میں اس کے اثرات ضرور دکھائی دیں گے نتیجتاً احساس برتری کی کوکھ سے جنم لینے والے تمام مسائل آہستہ آہستہ ختم ہوجائیں گے۔

نماز، سماج کو برائیوں سے پاک رکھتی ہے

جن مذاہب میں مرنے کے بعد اعمال کی جواب دہی کا کوئی تصور نہیں، ان کے پیروکاروں میں گناہوں کے ارتکاب کے سلسلے میں جو بے باکی دکھائی دیتی ہے، اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اسی تصور کے اثرات آج مسلم معاشرے میں ہر جگہ دکھائی دے رہے ہیں، گناہ کرتے وقت خوف خدا محسوس کرنا تو درکنار بلکہ بڑی جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فخریہ انداز میں لوگ گناہ کرتے دکھائی دیتے ہیں، کوئی روکے تو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ اب تو یہ فیشن بن گیا ہے، ایسا نہیں کریں گے تو لوگ بے وقوف سمجھیں گے، فیشن کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے یہ دراصل تصور آخرت کے مرجھا جانے کا نتیجہ ہے۔

نماز تصورِ آخرت کو ہر دم تازہ رکھتی ہے، خدا کے حضور رات اور دن میں پانچ مرتبہ پیشانی رگڑنے والے کے دل ودماغ سے ایک لمحے کے لیے بھی اعمال کی جواب دہی کا تصور غائب نہیں ہوسکتا۔ اللہ پاک قرآن مجید میں نماز کے تعلق سے ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنکَر (العنکبوت، آیت:۴۵)

ترجمہ: بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے۔ (کنز الایمان)

نماز جہاں تصور آخرت کو ہر دم تازہ رکھتی ہے، وہیں محاسبۂ اعمال کے احساس کو تابندہ رکھتی ہے اور یہ احساس گناہوں سے دور رکھتا ہے، اگر انجانے میں ایک نمازی سے کوئی غلطی ہو بھی جاتی ہے، تو پھر دوسری نماز کی اذان سنتے ہی مسجد کی طرف اٹھنے والے قدم بوجھل ہوجاتے ہیں اور یہ احساس نماز کا وقت قریب آتے آتے آنسوؤں کی شکل میں ڈھلنے لگتا ہے، یوں گناہوں کا گرد بھی دھل جاتا ہے، اور پانچ وقتوں کی نماز کا پابند گناہوں سے پاک وصاف رہتا ہے، اب غور سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک کو پڑھیے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اگر تم میں کسی کے دروازے کے کنارے نہر ہو، اور وہ اس میں پانچ مرتبہ نہائے تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہ جائے گا، صحابہ نے عرض کیا نہیں حضور، اس کے جسم

پر کوئی میل باقی نہیں رہے گا، تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح پانچ نمازیں انسان کے گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلوات الخمسۃ کفارۃ)

انسان تصورات وتخیلات کی دنیا میں صرف گناہوں سے پاک نہیں ہو جاتا، بلکہ حقیقت میں نماز میں وہ تاثیری داعیات و اسباب ہیں جو انسان کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ بھی دہرایا جاتا ہے کہ نمازی حضرات کہاں برائیوں سے باز رہتے ہیں؟ کیا نماز ان برائیوں سے نہیں روکتی؟ جی ہاں! روکتی ہے، نماز زبان حال سے بار بار یہ کہتی ہے کہ اے خدا کے حضور سربسجود ہونے والے، اتنی جلدی خدا کو نہ بھول، جس رب کی بارگاہ میں تو نے سجدے کیے ہیں، وہ مسجد کے باہر بھی تیرے ہر کیے ہوئے کو دیکھ رہا ہے، لیکن نمازی نماز کی پکار نہیں سنتا، اپنے نفس کی پکار پر لبیک کہتا ہے، اور وہ ہر کام کر گزرتا ہے جو ایک نمازی کی شان خلاف ہوتا ہے۔

نماز مثبت جذبات کو فروغ دیتی ہے

منفی جذبات سماج کے لیے ناسور ہیں، منفی جذبات میں ہوس پرستی بھی ہے، ہوس کی بھوک مٹانے کے لیے ایک شخص سماجی حقوق کو پاؤں تلے روندتے ہوئے ہر وہ کام کر گذرتا ہے جس میں دوسروں کا کھلا نقصان ہوتا ہے، ہوس کی بھوک چوں کہ کبھی مٹتی نہیں، اس لیے ہوس پرستوں کے ہاتھوں ہمیشہ سماج کا استحصال ہوتا رہتا ہے، اس سماجی استحصال کو نماز بہ آسانی روک دیتی ہے۔ اس لیے کہ نماز کی برکت سے قناعت پروری کا جذ پیدا ہوتا ہے اور قناعت پروروی کا جذبہ ہوس پرستی کے برخلاف ایک مثبت اور سماج کو سکونِ واطمینان سے بھر دینے والا جذبہ ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اِذَا نُودِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِن یَّومِ الجُمُعَۃِ فَاسعَوا اِلٰی ذِکرِ اللہِ وَ ذَرُوا البَیعَ ذٰلِکُم خَیرٌ لَّکُم اِن کُنتُم تَعلَمُونَ (الجمعۃ، آیت: ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ (کنز الایمان)

اذان جو کہ نماز کی خبر ہے، سنتے ہی مسجد کی طرف نمازی اپنے قدم بڑھانے لگتا ہے، بھلے سامنے دولت کا انبار ہو، دل للچا رہا ہو، ہوس پا بجولاں ثابت ہو رہی ہے، لیکن نہ دل کا خیال رکھنا ہے، نہ ہوس کی سننی ہے، بلکہ حکم الٰہی سنتے ہی مسجد کی طرف رخت سفر باندھنا ہے، یوں پنچ وقتہ تربیتی عمل سے گذرنے کے بعد انسان قناعت پروری کے جذبے سے لیس ہو جاتا ہے، اور دل ودماغ میں یہ بات نقش ہو جاتی ہے کہ اللہ کریم جتنا دے دے، اسی پر اکتفا کرنا ہے، اس سے مزید کی خواہش ہے نہ طلب۔ پھر یہاں بار بار ہوس کا کہا نہ مان کر جب خدا کے دیے پر اکتفا کرے گا تو خودداری کا جذبہ پروان چڑھے گا، کہ دینے والا خدا ہے تو پھر جھکنا اسی کی بارگاہ میں ہے اور جو رزاق حقیقی دے اسی پر بس کرنا ہے، کسی اور کسی کی چوکھٹ پر ہاتھ نہیں پھیلانا ہے، پھر آہستہ آہستہ یہ جذبہ خودداری اس درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے کہ اسے کہیں جھکنے کی نوبت نہیں آتی اور یہ ایک سجدہ ہزار سجدوں سے بچا لیتا ہے۔ بہ قول شاعر مشرق:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

نماز بااصول زندگی بخشتی ہے

نماز کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اسے ہر روز پانچ مرتبہ ادا کرنا ہے، پھر اوقات کی باضابطہ خوب صورت ترتیب رکھی گئی اور مطلوبہ اوقات میں نماز کی پابندی کرنے والوں کے متعلق ڈھیر ساری خوش خبریاں سنائی گئی ہیں، تا کہ وقت پر نماز پڑھنے کی اہمیت مزید آشکارا ہو جائے، ان اوقات کی پابندی کرنے سے زندگی اس سانچے میں ڈھلی ہوئی آئے گی، فجر ادا کر کے اپنے دن کی ابتدا خدا کے ذکر سے کرے گا، اس ذکر کے اثرات دن بھر کے کاموں میں دکھائی دیں گے، ساتھ ہی صبح کی ٹھنڈی اور صاف وشفاف ہوائیں بے شمار بیماریوں سے محفوظ رکھیں گی، کام کا سفر ایک طویل وقت تک جاری رہنے کے سبب پیدا ہونے والی تھکاوٹ کام کی رفتار روک نہ دے اس کے لیے ضرور ایک توانائی درکار ہے، اب وہ ظہر کی نماز کے لیے مسجد کی طرف رختِ سفر باندھے گا، پھر کچھ دیر تک ذکر الٰہی میں مشغول رہ کر قلبی سکون بھی حاصل کرے گا اور یہ سکون جو توانائی بخشے گا شاید وہ توانائی دنیا کی کوئی چیز نہیں بخش سکتی، پھر اس توانائی سے ایک نیا سفر شروع کرے گا، یوں ایک وقفے بعد پھر عصر میں ذکر الٰہی سے توانائی حاصل کرے گا، پھر مغرب میں یوں ہی توانائی حاصل کرے گا، پھر رات کی تاریکی چھا جائے گی، اب وہ اپنی مشغولیات سے فارغ ہو کر بستر پر جانے پہلے اپنے سفر کو عشا میں ذکر الٰہی کی صورت میں ختم کرے گا، یوں سفر کی ابتدا بھی ذکر الٰہی سے ہوگی اور

اختتام بھی ذکر الٰہی سے ہوگا، کیا ایسے مبارک سفر میں کسی بھی نوعیت کا کوئی حادثہ ہوسکتا ہے، نہیں ہرگز نہیں، بار بار خدا کے حضور جو توانائی حاصل کرے گا یہ اس کی فکری اور عملی دونوں پہلوؤں کو معاشی، معاشرتی اور عائلی، زندگی کے ہر سطح پر بالکل صحیح سمت عطا کرے گی۔ وقت پر سونے جاگنے اور کھانے پینے کی پابندی نہ کرنے کے سبب جتنے بھی مسائل آج سماج کو درپیش ہیں، ان تمام مسائل کا حل اوقاتِ نماز کی پابندی میں مضمر ہے۔ آج ٹائم مینیج مینٹ کی اصطلاح زبان زد عوام وخواص ہے، جسے زندگی میں کامیابی کا پہلا زینہ تصور کیا جاتا ہے، ٹائم مینیج مینٹ کا جو تصور اسلام نمازوں کے اوقات کی شکل میں دیتا ہے اس سے بہترین تصور کہیں نہیں مل سکتا۔

نماز اتحاد قائم رکھتی ہے

نماز صرف اتحاد پیدا نہیں کرتی بلکہ اتحاد کو برقرار رکھتی ہے، اتحاد ٹوٹتا کیوں ہے؟ جب جماعت کا ہر فرد سربراہ بننے کی کوشش کرتا ہے، تو اتحاد پارہ پارہ ہوجاتا ہے، جماعت جب کسی لائق وفائق شخص کو اپنا رہبر تسلیم کرلے، تو بکھرنے کے امکانات ختم ہوجاتے ہیں، آج مسلمان گروہی تعصب کا شکار ہے، خصوصاً شہروں میں ہر گلی میں ایک گروپ ملے گا، جو ہر دم دوسرے گروپ کو مات دینے کے چکر میں جان کی بازی لگانے کے لیے سرگرم عمل رہتا ہے، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ احساس برتری دینی اُمور میں بھی داخل ہو چکا ہے اس تعصب کو ایک چھوٹے سے گروپ سے تھوڑا سا اوپر لے چلیں تو اس کی لپیٹ میں پوری جماعت اہل سنت آچکی ہے، تنظیم تخریب کے شعلے اگل رہی ہے، بہ نام دین اپنے دائرہ کار سے باہر نکل کر اتحاد ہر تنظیم کے لیے گویا ایک آگ کے دریا میں تیرنا ہے۔ نماز اس مسئلے کا حل بھی بہ آسانی پیش کردیتی ہے۔

نماز میں ایک عالم دین کو آگے اور باقی تمام کو پیچھے کھڑا رہنے کا حکم دے کر ایک پیغام یہ بھی دینا ہے کہ مسلم معاشرے کو ایک ایسا رہبر ورہنما منتخب ضرور کرلینا چاہیے، جو قرآن وحدیث کا جاننے والا ہو، نماز میں امامت وقیادت کا جو نظام رکھا گیا ہے بالکل یہی نظام ہماری زندگی میں نافذ ہوجائے تو مسلم معاشرے میں اختلاف کبھی پیدا ہی نہ ہو۔ غور کیجیے! مقتدی کو سب سے پہلے "اقتدیت بھذا الامام" کے الفاظ کے ذریعے نیت کرنی ہے، اور یہ محض زبانی نیت نہیں بلکہ ایک عہد ہے اور اس عہد کا خیال پوری نماز میں رکھنا ہے، پھر جب تک امام رکوع اور سجدہ نہ کرے، وہ بھی نہیں کرسکتا، امام قراءت کرے تو خاموشی کے ساتھ سننا ہے، یوں نماز ختم ہونے تک امام کی پیروی کرنی ہے، اسی طرح امام صاحب کو تمام مقتدیوں کی امامت کی نیت کرنی ہے، اور یہ بھی دراصل ایک حلف نامہ ہے، جس کا خیال پوری نماز میں رکھنا ہے، گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقتدی کو بڑی تابع داری کے ساتھ پیچھے پیچھے چلنا ہے، اور امام کو بڑی ذمے داری کے ساتھ آگے راستہ دکھانا ہے۔

تھوڑا سا ذہن پر اور زور ڈال کر سوچیے کہ کہیں مقتدی اپنے امام میں کوئی نقص پا کر بدظن نہ ہوجائے اور بدگمانی اسے اس کے رہبر سے نہ دور کردے، اس لیے امامت کے منصب پر فائز ہونے کے لیے شرطیں لگادی گئیں، کہ قرآن کا زیادہ جاننے والا ہو، متقی ہو، نسب و کمال کے اعتبار سے بلند ہو، اگر یہ تمام باتیں امام میں موجود ہوں تو بدگمانی تو دور کی بات ہے، بلکہ مقتدی ہمیشہ جاں نثار بن کر اپنے امام کی حفاظت کرے گا، عموماً دیکھا گیا ہے کہ جماعت اپنے رہبر سے اس لیے بھی دور بھاگتی ہے کہ رہبر باوجود نااہل ہونے کے اپنی سیادت زبردستی منوانے پر اڑ جاتا ہے، امامت کی شرطیں دراصل جماعت کی دیوار پر پڑنے والے اسی شگاف کو بند کرنے کے لیے ہیں۔ تھوڑا سا اور زور ڈال کر سوچیے! نماز میں لقمہ دینے کو بھی روا رکھا گیا، کیوں؟ کہیں امام یہ نہ سمجھے کہ امام بننے کے بعد غلطیاں نہیں ہوسکتیں، اگر پانچ وقت کی نماز پڑھنے والے آج کے قائدین صرف نماز ہی سے یہ سبق حاصل کرلیں تو بعید نہیں کہ امت نماز باجماعت کی طرح ایک صف میں کھڑی ہوجائے، جب جماعت کے رہبر خود کو مطلق العنان سمجھنے لگتے ہیں تو جماعت سے افراد کٹنے لگتے ہیں، جماعت میں لقمے کو روا رکھ کر امامت کو مزید مضبوطی بخشا ہے، پھر لقمے میں مقتدیوں کو یہ ہدایت دی گئی کہ امام اگر قراءت میں سورت بھولنے لگے تو فوراً نہ ٹوکے بلکہ انتظار کرے، انتظار کا حکم دے کر مقتدیوں کے دائرہ اختیار کو سمیٹا گیا، کہیں اس چھوٹ کا غلط استعمال جماعت کا حسن نہ بگاڑ دے، بلاوجہ رہبران قوم کے تعلق سے بے سروپا کی بات کرنے والے جماعت کے ساتھ نماز تو ضرور پڑھتے ہوں گے، وہ تھوڑی دیر کے لیے سوچیں ان کے بار بار کے "لقموں" سے جماعت کے حسن میں اضافہ ہوگا یا جماعت کا چہرہ مزید بدنما ہوجائے گا۔

(بقیہ ص ۳۳ پر)

شرعی احکام ومسائل

از: مفتی محمد نظام الدین رضوی

مریض کو زکوۃ دینا

صورت مسئولہ:

دوا لینے کے لیے آنے والا ضرورت مند کہے کہ میں زکوۃ کا مستحق ہوتو کیا اس کی بات پر یقین کر کے اس کو حقدار مان لیا جائے گا؟

حکم شرعی:

زکاۃ دینے والا دل میں اچھی طرح غور کرے اگر اس کا دل اس پر جمے کہ وہ سچا ہے تو اسے زکاۃ کا حقدار مان کر زکاۃ دے سکتا ہے۔

عالمگیری وغیرہ میں ہے:

جس نے تحری کی یعنی سوچا اور دل میں یہ بات جمی کہ اس کو زکاۃ دے سکتے ہیں اور زکاۃ دے دی بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مصرفِ زکاۃ ہے یا کچھ حال نہ کھلا تو ادا ہوگئی۔ اور اگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غنی تھا، یا اپنی اولاد تھی، یا شوہر تھا جب بھی ادا ہوگئی۔

اور یہ بھی تحری ہی کے حکم میں ہے کہ اس نے اسے غنی نہ جان کر دے دیا۔ یا وہ فقیروں کی جماعت میں انہیں کی وضع میں تھا اسے دے دیا (تو بھی زکاۃ ادا ہوگئی) عالمگیر، درمختار، رد المحتار۔ (بہار شریعت ص ۶۴ حصہ ۵، مصارف) واللہ تعالیٰ اعلم

***

لڑکی کے ترکے میں ماں باپ کا حق

صورت مسئولہ:

ماں باپ نے لڑکی کو شادی میں زیور کپڑا برتن وغیرہ جو کچھ دینا تھا، دیا۔ کچھ دن بعد لڑکی اولاد چھوڑ کر انتقال کر گئی تو اس سامان سے لڑکی کے ماں باپ کو واپس لینے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

حکم شرعی:

ماں باپ نے اپنی لڑکی کو جو کچھ زیورات، کپڑے اور جہیز وغیرہ کے سامان دیے ان سب کی مالک لڑکی ہے کہ ہمارے دیار کا عرف یہی ہے کہ یہ اشیا لڑکی کو بطور تملیک دی جاتی ہیں اور خاص جہیز کے بارے میں تو شامی میں یہ صراحت بھی ہے کہ وہ لڑکی کی ملک ہے اس لیے لڑکی کی وفات کے بعد اس کی یہ تمام املاک اس کا ترکہ قرار پائیں گی جس میں بلاشبہہ ماں باپ کا بھی حق ہے۔ صورت مسئولہ میں ان کا حق سُدس ہے یعنی لڑکی کے ترکے سے بعدِ تقدیم ماتقدم علی الارث ماں باپ میں سے ہر ایک کو ۱/۶ ملے گا، اور اگر اس لڑکی نے اولاد میں صرف لڑکی ہی چھوڑی ہو، کوئی لڑکا نہ ہو تو باپ کو حق تعصیب بھی ملے گا یعنی ذوی الفروض میں ترکہ تقسیم ہونے کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ سب بھی لے لے گا۔ ارشاد باری ہے: وَلِاَبَوَیۡهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

***

دنیاوی تعلیم کے مد میں زکوۃ کی رقم صرف کرنا

صورت مسئلہ:

ہم چند احباب مل کر ایک انجمن چلاتے ہیں جو آٹھویں جماعت سے لے کر ڈاکٹری اور انجینئرنگ کے طلبہ وطالبات کی دنیاوی اعلیٰ تعلیم تک کی فیس کی اعانت کرتے ہیں اور ان کے اسکول یا کالج کی فیس چیک کی شکل میں ان کے متعلقہ ادارے کو بھجوا دیتے ہیں۔ اس کے لیے ہم جو روپے جمع کرتے ہیں اس کا اکثر حصہ زکوۃ کا ہوتا ہے جو ہم حیلہ شرعی کروا کر اکاونٹ میں جمع کر دیتے ہیں اور ضرورت کے لحاظ سے چیک دیتے ہیں۔ جن بچوں کو یہ فیس کی رقم دی جاتی ہے، ان کے والدین کی مالی استطاعت اتنی نہیں ہوتی کہ وہ یہ خرچ برداشت کر سکیں اور صرف آٹھویں جماعت کے بچے ایسے ہوتے ہیں جن میں کچھ بالغ اور کچھ نابالغ ہوتے ہیں، باقی ساری جماعتوں کے طلبہ یا طالبات بالغ ہوتے ہیں۔ اب آپ سے دریافت طلب امور مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کیا زکوۃ کی رقم حیلہ شرعی کروانے کے بعد دنیاوی تعلیم کی مد میں خرچ کی جا سکتی ہے؟

(۲) کیا یہ کام کہ قوم دنیاوی معاملات میں کسی سے پچھڑ نہ

جائے، مولا تعالیٰ کی خوش نودی کا ذریعہ نہ ہوگا؟

(۳) بالغ و نابالغ بچوں کے معاملات میں اگر کوئی فرق ہو تو ازراہِ کرم اسے بھی واضح فرما دیں۔

(۴) کیا اس رقم سے اسکول کے لیے زمین یا عمارت خریدی جا سکتی ہے؟

(۵) اگر سوال نمبر (۱) اور (۴) کا جواب نفی میں ہو تو پہلے خرچ شدہ روپے کا کیا ہوگا یعنی اس کے احکام زکاۃ دہندگان پر ہوں گے یا انجمن پر جب کہ انجمن کہاں خرچ کرتی ہے، یہ چندہ دینے والے جانتے ہوں؟

آخر میں ایک التجا یہ ہے کہ اگر جواب میں آپ کوئی عربی عبارت نقل کریں تو از راہِ کرم اس کا ترجمہ بھی عنایت فرما دیں۔

ہم آپ کے جواب کے منتظر ہیں اور فی الوقت یہ کام روکے بیٹھے ہیں اس لیے آپ سے التماس ہے کہ جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ والسلام

حکم شرعی:

(۱) زکاۃ دراصل مسلم فقرا اور مساکین کا حق ہے۔ قرآن مجید میں ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنَ

اس لیے اسکولوں اور کالجوں کے مد میں یا دنیاوی تعلیم کے مد میں اسے صرف کرنا فقرا اور مساکین کی حق تلفی ہے جو حرام و گناہ ہے۔ اور اس کے لیے حیلہ کرنے کی بھی اجازت نہیں کیوں کہ حیلہ شرعی کی اجازت انتہائی مجبوری اور اضطرار کی صورت میں علوم دینیہ اور قربت کے لیے ہے اور دنیاوی تعلیم نہ علوم دینیہ سے ہے اور نہ امورِ قربت سے۔ مدارس دینیہ میں صرف کرنے کی اجازت اس وجہ سے ہے کہ آج کے دور میں دینی علوم سے بے رغبتی اور بے توجہی عام ہے۔ صرف عطیات کے بل بوتے دینی علوم کو محفوظ نہیں رکھا جا سکتا اور مدارس ضائع ہو جائیں گے تو یہ صورت علومِ دینیہ کی حفاظت کے لیے انتہائی مجبوری اور اضطرار کی ہوئی، ساتھ ہی علوم دینیہ کا تحفظ اہم اور قربت سے ہے اس لیے یہاں حیلہ شرعیہ کی اجازت ہوئی۔ شریعت کا ضابطہ کلیہ ہے الضرورات تبیح المحظورات۔ اس کے برخلاف دنیاوی تعلیم کا تحفظ نہ امور قربت سے ہے اور نہ ہی اس کے لیے اضطرار کی صورت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا دنیاوی تعلیم کے لیے نہ حیلہ کریں اور نہ ہی اسے اس طرح کے امور میں صرف کریں۔

ہاں یہ اجازت ہے کہ طالب علم عاقل بالغ ہو اور ساتھ ہی فقیر یا مسکین ہو تو براہِ راست زکاۃ کی رقم کا مالک بنا دیں اور اس سے گزارش کریں کہ وہ یہ رقم اپنی تعلیم میں صَرف کرے، اس کے سوا ہرگز کوئی راہ نہ اپنائیں۔ مثلاً چیک یا ڈرافٹ بنا کر اسکول میں بھیج دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہ جذبہ بہت مستحسن ہے کہ اپنی قوم کے بچوں کا مستقبل سنوارا جائے تا کہ اپنی قوم زندگی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہ جائے، مگر یہ عمل بہت برا ہے کہ اس جذبہ خیر کی تکمیل کے لیے اپنی نجی رقوم کو صرف کرنے میں بخل کیا جائے اور غربا و مساکین کا مال اس میں صرف کر کے ان بے سہاروں کی حق تلفی کی جائے۔ ہماری قوم کا المیہ یہ ہے کہ ڈھائی فیصد رقم سے دنیا و آخرت کے ہر کام کر لینا چاہتی ہے اور ساڑھے ستانوے فیصد رقم اپنے پاس رکھ کر بھی آسودہ نہیں ہوتی ہے۔ اسلام نے دو نظام قائم کیے ہیں۔ نظامِ زکاۃ و صدقات اور نظام عطیات۔ اور زکاۃ و صدقات واجبہ مفلسوں اور ناداروں کو اوپر اٹھانے کے لیے ہیں اور عطیات جنھیں صدقات نافلہ بھی کہتے ہیں دوسرے بہت سے امدادی اور فلاحی کاموں کے لیے۔ اس لیے اہل خیر و ارباب ثروت سے چندہ کر کے امدادی اور فلاحی کاموں کو انجام دیا جائے۔ اب تک زکاۃ کی جو رقوم دنیاوی تعلیم میں صرف ہو چکی ہے اگر کسی فقیر کے ذریعہ حیلہ کے بعد صرف ہوئی ہیں تو ان کا تاوان ذمہ میں واجب نہیں، گو ایسا کرنا برا ہے۔ اس طور پر دنیاوی تعلیم میں زکاۃ کی رقم صرف کرنے والے توبہ کریں اور آئندہ بچیں۔ مزید تحقیق و تفصیل کے لیے مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فیصلے جو ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہو چکے ہیں، مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

●●

بیلور میں سالانہ سنی اجتماع

سنی دعوت اسلامی شاخ بیلور کرناٹک کا ۵واں سالانہ سنی اجتماع ان شاء اللہ بتاریخ ۸ مارچ ۲۰۱۸ بروز جمعرات نزد جامع مسجد ٹاؤن بیلور میں منعقد ہوگا۔ یہ اجتماع صبح دس بجے سے رات ۱۱ بجے تک چلے گا۔ تمام احباب سے گزارش ہے کہ وقت کا خیال رکھتے ہوئے مع احباب اجتماع میں شریک ہوں۔

رابطہ نمبر: افتخار بھائی 9342391963 صدیق بھائی 9900418944

روحانیت کے بغیر کچھ بھی نہیں

دعوت دین کے لیے طلبۂ مدارس کو علمی استحکام کے ساتھ روحانی طور پر بھی مستحکم کرنا ہوگا

از: مولانا محمد عارف رضا نعمانی مصباحی

بلاشبہہ مدارسِ اسلامیہ دین کے قلعے ہیں۔ یہ قلعے جب تک مضبوط رہیں گے دین بھی مضبوط رہے گا۔ ہمارے معاشرے میں اسلامی احکام وروایات کی جو بہاریں نظر آرہی ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی مدارس اسلامیہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنان دین آئے دن مدرسوں کے حوالے سے کچھ نہ کچھ بکواس کرتے ہی رہتے ہیں۔ مدارس کے ذمے داروں نے دنیا کے نئے چیلنجوں کو بھی سمجھا ہے اس لیے انہوں نے مدارس میں نئے تقاضوں کے مطابق کچھ نہ کچھ تبدیلیاں بھی کی ہیں مگر اس کے باوجود پھر بھی مدارسِ اسلامیہ کے تعلق سے بہت سی باتیں قابل غور اور لائق توجہ ہیں۔ آج ہر طرف اس بات پر خوب توجہ دی جارہی ہے کہ اسلامی مدارس کو عصری تقاضوں کے مطابق چلایا جائے، اور یہاں کے فارغین کسی میدان میں کالج اور یونیورسٹی سے نکلنے والوں سے کم نہ ہوں، ظاہر ہے کہ اس طرح کی باتیں کرنا تو آسان ہے؛ لیکن ان کو عملی جامہ پہنانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ہاں اس حد تک تو تبدیلی لائی جاسکتی ہے اور لائی بھی جارہی ہے کہ مدارس سے جڑے طلبہ دیگر علوم وفنون اور اردو، عربی، فارسی زبانوں کے ساتھ انگریزی، ہندی یا علاقائی زبانیں مثلاً گجراتی، بنگلہ، مراٹھی وغیرہ میں ضروری شُدبُد حاصل کرنے میں توجہ دیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اکثر مدارس میں اس پر عمل ہورہا ہے لہٰذا بار بار اس کی رٹ لگانا کہ مدارس کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے بالکل فضول ہے۔ اس طرح کی فضول باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو دنیا کو دین پر ترجیح دیتے ہیں، دینی تقاضوں سے نابلد ہیں وہ جس رنگ میں ہیں سب کو اسی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ (بقرہ: ۲۔ ۱۳۸)

اللہ کا رنگ، اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ!۔

یعنی اللہ کے دین کا رنگ، اس کے رسول کی سنتوں کا رنگ کہ اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں لیکن یہ مغربیت زدہ اور نئی تہذیب کے دلدادہ لوگ دین داروں کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں؛ اسی لیے بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ دنیاوی ضرورت کی تکمیل کے لیے حسب استطاعت دنیاوی اور عصری علوم کی تحصیل سے تو اسلام منع نہیں کرتا اور لوگ حاصل کر بھی رہے ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ جو خالص دینی علوم کی تحصیل میں لگے ہوئے ہیں اور دینی علوم میں کمال پیدا کر رہے ہیں ان کے نظام میں خلل ڈال دیا جائے، پھر وہ کسی طرف کے نہ رہیں، نہ دین کے نہ دنیا کے۔ ظاہر ہے کہ یہ دین کو نقصان پہنچانا ہے، دانستہ ہو چاہے نادانستہ؛ اس لیے مدارس کے قیام کا جو مقصد ہے انھیں اسی پر چھوڑ دینا چاہیے۔

اگر کسی کو مدارسِ اسلامیہ سے ہم دردی ہے تو چاہیے کہ مدارس کے تعلیمی نظام کو درست کرنے کا مشورہ دیں، معیاری تعلیم کیسے فروغ پائے، اس کی کیا تدبیریں ہوں ان پر توجہ دی جائے، مدارس کا نظام اخلاق کیسا ہے، اس کا جائزہ لیا جائے اور اس سلسلے میں جو کمی در آئی ہو اس کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

علم کا مقصد محض حصولِ علم یا تحصیل مال نہیں ہونا چاہیے۔ اگرچہ فی نفسہٖ یہ دونوں مقاصد بھی مذموم نہیں لیکن ان کو بنیادی حیثیت نہیں حاصل ہونی چاہیے۔ علم کا بنیادی اور اصلی مقصد رضاے الٰہی اور ہدایت خلق ہے، اس کے لیے اخلاقی قدروں کا فروغ بھی ضروری ہے۔ اولین درجے میں متعلم ہو یا معلم اپنے کو اخلاقِ فاضلہ سے مرصع کرے پھر دوسروں میں حسن سلوک اور حسن اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ چیزیں اس قدر اہم اور ضروری ہیں کہ دینی علوم کی تحصیل میں تو ان کا پاس ولحاظ ہونا ہی چاہیے دنیاوی علوم میں بھی ان کا اہتمام یک گونہ مطلوب ہے؛ کیوں کہ بندۂ مومن کی پوری زندگی رضاے الٰہی کے گرد گھومتی نظر آنی چاہیے۔ قرآن حکیم نے اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔(انعام:٦۔١١٢)

تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب سارے جہان کا۔

حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ اس آیت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں :

یعنی میری زندگی حیاتِ دنیا نہیں بلکہ حیاتِ دینی ہے۔ حیاتِ دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کرے اور دنیاوی کاروبار میں صَرف ہو۔ اللہ کے لیے زندگی وہ ہے جو رب کے کاموں کے لیے وقف ہو، جیے تو دین کی خدمت اور رب کی یاد میں؛ مرے تو رب کی اطاعت کرتا ہوا۔ (تفسیر نور العرفان: ص ٢٣٨۔ مطبوعہ کانپور)

یہ آیت پاک بتاتی ہے کہ مومن کا ہر کام چاہے دین کا ہو یا بظاہر دنیا کا مگر ہر ایک میں طلب رضائے الٰہی اور آخرت کی بھلائی ہی کو مقصود و مطمحِ نظر بنانا چاہیے، طلب علم سے دنیا میں اگر دنیا کا قصد کیا تو گویا مباح کام کیا؛ مگر جو علم، علم دین ہو اور اس کی طلب دنیا کے لیے ہو تو یہ بہت ہی مذموم اور باعث وبال ہے؛ چنانچہ حدیث پاک میں ہے :

عَن ابی ھرَیرۃَ رضی اللّٰہ عنه قالَ: قالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم : مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتَغیٰ بِهٖ وَجْهُ اللّٰہِ لاَ یَتَعَلَّمُهٗ اِلاَّ لِیُصِیْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یعنِی رِیْحَهَا۔ رواہ أحمد و أبو داؤد و ابن ماجة۔

(مشکوٰۃ المصابیح: ٣٤ کتاب العلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ان علوم میں سے کچھ علم حاصل کیا جن سے اللہ کی رضا طلب کی جاتی ہے (یعنی علوم دینیہ میں سے) وہ اسے صرف اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس سے دنیا کمائے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

یعنی علم دین جیسے شریف علم کو جو ذلیل دنیا کا سامان حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے (مقصودِ اصلی اسی کو ٹھہرائے) تو وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ اگر اس بات کو وہ جائز بھی سمجھے کہ علم دین محض دنیا کمانے کی چیز ہے تو حکم بہت شدید ہوگا یعنی دین و علم دین کی توہین کا اس کے اوپر الزام آئے گا اور یہ کفر کو مستلزم ہے اور اگر حب دنیا کے غلبے کی وجہ یہ نیت ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اولین سابقین میں اس کا شمار نہ ہوگا ایمان ہے تو بالآخر جنت میں جائے؛ لیکن دخول سے پہلے جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ جب کہ حدیث سے ثابت ہے کہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس کی جائے گی، تو یہ بھی بہت بڑی محرومی ہے۔ ہاں! اگر دنیا کمانا بھی مقصود ہے لیکن مقصود اصلی رضائے الٰہی اور فروغ دین ہی ہے تو اس میں حرج نہیں؛ مگر بڑا مرتبہ اس کو حاصل ہے جو خالص رضائے الٰہی کے لیے علم دین حاصل کرتا ہے اور اللہ کے فضل پر بھروسہ رکھتا ہے کہ وہ مولائے رزاق اپنے دین کے خادم اور اپنی رضا کے طالب کو دنیا کے اسباب سے بھی محروم نہیں رکھے گا اور اس کے فضل سے ہوتا بھی یہی ہے۔ شیخ سعدی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

ہاں طلب رزق کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا توکل کے خلاف نہیں۔ حدیث میں آیا کہ: اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلْتُمْ مِنْ کَسْبِکُمْ۔

(سنن ترمذی، مشکوٰۃ: ٢٤٢)

سب سے پاکیزہ تر تمھارا کھانا وہ ہے جو تم محنت سے کماؤ۔

طلب علم میں اخلاص وللّٰہیت کے سلسلے میں ایک حدیث اور ملاحظہ ہو۔ امام ترمذی اپنی سنن میں نقل فرماتے ہیں :

عن ابنِ عُمَرَ عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَیرِ اللّٰہِ أَوْ أَرَادَ بِهٖ غَیْرَ اللّٰہِ فَلْیَتَبَوَّ أْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(سنن ترمذی: ٢/٩٠ کتاب العلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی علم غیر اللہ کے لیے حاصل کیا یا اس علم سے غیر اللہ کا اِرادہ کیا تو اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔ (یعنی ایسا آدمی اپنے ہاتھوں جہنم کا مستحق بنتا ہے۔)

ان احادیث کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہماری نگاہوں سے مقصد تعلیم اوجھل ہو چکا ہے، علم دین کی تعلیم اور تعلّم ہر ایک کا مقصد محض حصولِ زر ہو کر رہ گیا ہے۔ طالب علم بھی اسی لیے

پڑھتا ہے کہ آگے چل کر لمبی لمبی تنخواہوں کے لیے راستہ ہموار ہوگا اور معلم بھی اسی غرض سے تعلیم دیتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تنخواہ حاصل کرے، اس کے لیے بعض معلمین نازیبا حرکتیں بھی کرتے ہیں، رشوتوں کی لین دین بھی شروع کر دیتے ہیں، پھر اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ پڑھانا لکھانا برائے نام ہوتا ہے بس ڈیوٹی دینا تنخواہ لینا ہی اصل الاصول بن کر رہ جاتا ہے تو ایسے معلّمین و متعلّمین اور ذمہ دارانِ مدارس سے اس کی توقع ہی بے کار ہے کہ یہ لوگ اخلاقی قدروں کو فروغ دیں گے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کریں گے یا کرائیں گے۔

یہ بات بلاخوفِ لومۃ لائم کہی جا سکتی ہے کہ آج مدارس میں اخلاق بس پڑھایا جاتا ہے، اس پر عمل کی طرف توجہ بہت کم دی جاتی ہے۔ حالاں کہ اخلاق پڑھنے پڑھانے کی چیز کم اور برتنے اپنانے کی چیز زیادہ ہے۔

اخلاق کی عرفی تعریف حسن سلوک اور حسن معاشرت سے کی جاتی ہے جب کہ اخلاق کے اصل معنی ہیں خصائل فاضلہ سے اپنے کو مرصع کرنا اور خصائل رذیلہ سے اپنے کو مبرا رکھنا۔ اخلاق کی جامع ومانع تعریف یہی ہے۔ احادیث پاک میں اخلاقِ حسنہ کے اختیار کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے اور جو اچھے اخلاق کا حامل ہو اس کو افضل واعلیٰ بتایا گیا ہے۔ اخلاقِ حسنہ کی اہمیت وفضیلت پر مشتمل چند احادیث کریمہ کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ بعض اخلاقی قدروں پر بھی مشتمل ہیں اور یہ کہ اخلاق سے کیا مراد ہے؟۔

(۱) تم میں سب سے زیادہ میرا محبوب وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ (بخاری)

(۲) تم میں اچھے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔
(بخاری ومسلم)

(۳) ایمان میں زیادہ کامل وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔ (ابوداؤد)

(۴) خُلُقِ حسن سے بہتر انسان کو کوئی چیز نہیں دی گئی۔
(سنن بیہقی)

(۵) قیامت کے دن مومن کی میزان میں سب میں بھاری جو چیز رکھی جائے گی وہ خلق حسن ہے اور اللہ تعالیٰ اس انسان کو درست نہیں رکھتا جو فحش گو اور بدزبان۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فحش گوئی اور بدزبانی اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے، اس سے بچنا نہایت ضروری ہے، عام مسلمانوں کو بھی اور علما وطلبہ کو بھی۔

(۶) مومن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے قائم اللیل (راتوں کو نماز وعبادت میں مشغول رہنے والے) اور صائم النہار (دن میں روزہ رکھنے والے) کا درجہ پا جاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

(۷) مومن دھوکا کھا جانے والا ہوتا ہے (یعنی اپنے کرم نیکی کی وجہ سے دھوکا کھا جاتا ہے نہ کہ بے عقلی سے) اور فاجر دھوکا دینے والا لئیم یعنی بدخلق ہوتا ہے۔ (امام احمد، ترمذی، ابوداؤد)

(۸) اللہ سے ڈر، تو جہاں بھی ہو اور برائی ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر کہ یہ اس کو مٹا دے گی۔ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کر۔ (احمد، ترمذی، دارمی)

(۹) میں اس لیے بھیجا گیا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں۔
(امام مالک، احمد)

یعنی میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تا کہ عملاً وقولاً اخلاق کے تمام مدارج کو لوگوں کے سامنے پیش کر دوں۔

مذکورہ حدیثیں بہارشریعت حصہ شانزدہم (۱۶) سے ماخوذ ہیں، اب ان کی روشنی میں مدارسِ اسلامیہ کا بخوبی جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ یہ مدارس یعنی ان کے اساتذہ، ارکان اور طلبہ کس قدر ان پر عامل ہیں، جب کہ یہ مدارس اسلامیہ اسلامی تعلیمات کے مراکز ہیں، طلبہ کے لیے تربیت گاہ ہیں، دینی معاملات میں قوم مسلم کی امید گاہ ہیں، اگر قوم یہاں سے مایوس ہوگی، طلبہ یہاں سے بغیر تربیت کے محروم جائیں گے تو پھر قوم مسلم کا حال کیا ہوگا!۔ غیر مسلم قومیں حلال و حرام کی تمیز سے یک سر عاری اور اخلاقی قدروں سے ناواقف ہیں، حکومت کے پاس بھی اخلاقی قدروں کے اُجاگر کرنے کا کوئی پروگرام ہی نہیں، جہاں شراب، زنا اور جوا کے پرمیشن دیے جاتے ہوں وہاں سے انسانی ہمدردی، حیا و پارسائی، اور صداقت ووعدہ وفائی کی اُمیدیں باندھنا ایک فضول سی بات ہے؛ اس لیے اسلامی ودینی مدارس کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں، ان کو اسلام کا ایسا نمونہ ہونا چاہیے کہ غیر اسلامی افراد ان کے حسن کردار سے متاثر

ہوکر اسلام سے قریب ہوں اور اسلام کے خلاف پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں دور ہوں، حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ الٰہ آباد کی ایک اسلامی خاتون نے بیان کیا کہ الٰہ آباد عربی فارسی بورڈ کے آفس میں کام کرنے والے ایک غیر مسلم نے کہا کہ ’پہلے تو ہم لوگ داڑھی ٹوپی والوں کو دیکھ کر ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے لیکن جب اس آفس میں کام کرنے کا اتفاق ہوا تو ان کی ناکردنیاں اور دھوکے بازیاں دیکھ کر اب ان سے نفرت ہونے لگی ہے‘۔

حالیہ دنوں میں ایک صاحب نے اور بھی اسی قسم کا ایک غیر مسلم آفیسر کا تاثر بیان کیا۔ اب ان حالات میں مسلمان اگر غیروں کی نظروں میں بے وقعت اور بے عزت ہوتے نظر آئیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے! اسی کو کہتے ہیں ’اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنا‘۔

پہلے بہار کے مدارس کے بارے میں بہت سننے میں آتا تھا کہ وہاں سرکاری مدارس میں دھاندھلیاں بہت ہوتی ہیں؛ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ یوپی بہار سے بھی آگے نکل گیا ہے اور بہار والے پیچھے ہوگئے ہیں۔ یہی دیکھیے نا کہ اب ایڈیڈ مدارس پورے زور شور سے رشوتیں لے رہے ہیں، پہلے تو سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے بدنام تھے، اب خود مدرسہ کے ذمہ دار حضرات یا کلرک صاحبان رشوتوں کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ پندرہ لاکھ کے آس پاس تو عام بات ہے ایک مدرسہ میں سنا ہے کہ پچیس لاکھ روپے رشوت میں لیے گئے۔ ان مدارس کو تو چاہیے کہ اب اپنا نام درس گاہ سے بدل کر رشوت گاہ کرلیں اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ جو کوئی اس کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے وہ بے وقوف بنتا ہے، اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے، نمازوں کی پابندی سے مدارس آزاد ہوتے جارہے ہیں، طلبہ ایک دن نماز میں نہ حاضر ہوں تو کوئی پوچھنے والا نہیں، ہاں! اگر درس گاہ میں غیر حاضر ہوجائیں اگرچہ کسی خاص عذر سے ہو تو ان کو ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے اور بہت سے مدارس بلکہ اکثر مدارس تو وہ ہیں کہ طلبہ کی حاضری بھی بالکل معاف ہے بس مدرسہ کا ڈھانچہ کھڑا ہے اور رجسٹر میں حاضریاں بنتی رہتی ہیں وہ بھی ایک دن میں کئی دن کی حاضری بنادی جاتی ہے، اور دھڑا دھڑ تنخواہیں نکال کر خرچ ہونے لگتی ہیں، اس کی فرصت کہاں کہ سوچیں: یہ تنخواہیں جائز بھی ہیں یا نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اب حرام، حلال کی فکر بالکل رخصت ہو چکی ہے۔

اب ذیل میں اجمال کے ساتھ چند ان خامیوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جو مدارس میں عام ہو چکی ہیں اور مزید تاریک مستقبل کا اشاریہ ہیں۔ سب سے زیادہ خرابیاں تو سرکاری (ایڈ والے) مدارس میں ہیں مگر دیگر مدارس میں بھی کافی بے اعتدالیاں در آچکی ہیں۔ ان سب کے ازالے کے لیے تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔ لیجیے اب ملاحظہ کیجیے:

(۱) کافی تعداد ایسے مدارس کی ہے جن میں نماز کی پابندی کا کوئی نظم نہیں، نہ طلبہ میں نہ اساتذہ میں۔ بعض بے باک اساتذہ تو یہ بھی کہتے نظر آئے کہ میں بچوں کو کتاب پڑھانے آیا ہوں، نماز پڑھنا، پڑھانا ہماری ڈیوٹی نہیں، یہ ہمارا نجی معاملہ ہے، پڑھیں یا نہ پڑھیں، مدرسہ کے ذمہ داروں کو اس سلسلے میں کچھ کہنے کا کوئی حق نہیں، ایسوں کی کیا سزا ہے اہل فہم پر خوب روشن ہے۔

(۲) طلبہ میں اساتذہ واکابر کا جو ادب مدارس کا امتیاز تھا اب وہ بہت تیزی سے رخصت ہوتا جارہا ہے، اس پر بھی توجہ کی ضرورت ہے اور مدارس میں اب اسٹرائک کا جو نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑا ہے اس کی ایک سب سے بڑی وجہ یہی بے ادبی کا ماحول ہے، جب کہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں تھا، اس بڑی خرابی کے اِزالے کے لیے ٹھوس اقدام کی ضرورت ہے۔

(۳) اساتذہ آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ اور نصوصِ فقہیہ کا جو درس دیتے ہیں ان کو چاہیے کہ ان پر خود چلنے کی کوشش کریں اور پھر طلبہ کو بھی تلقین کریں کہ وہ بھی صرف قراءت وسماعت پر اکتفا نہ کریں اور محض امتحان میں پاس ہونے کے لیے درس نہ لیں، بلکہ دینی دروس کو اپنے دلوں میں بھی جگہ دیں، اور انھیں ذہن ودماغ میں بسا کر عمل کی راہ ہموار کریں کہ حصولِ علم دین اصل مقصد ہے۔

(۴) ذمہ داران مدارس اور خاص طور سے ناظم حضرات کی طرف سے آئے دن ایسی خبریں موصول ہورہی ہیں کہ وہ اپنے مدرسین وملازمین کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور ان کا رویہ حاکمانہ ہوتا ہے جو علما وحفاظ اور دین دار ملازمین کے ہرگز شایانِ شان نہیں بلکہ بدسلوکی وحق تلفی تو کسی عام مسلمان کے ساتھ بھی روا نہیں۔

(۵) ناظمین مدارس سے کچھ زیادہ ہی مدرسین وملازمین میں

بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں مثلاً وقت پر نہ آنا اور پورے وقت پر دستخط کردینا، تندرست ہوتے ہوئے اپنے کو بیمار ظاہر کرنا، جھوٹی میڈیکل سرٹی فیکیٹ پیش کر کے رخصت علالت لینا، درس گاہ میں غیر تعلیمی کاموں میں وقت ضائع کرنا اور کبھی اور کسی نجی مصروفیات کی وجہ سے سبق کا ناغہ کردینا اور بعض کو یہ بھی کرتے دیکھا گیا ہے کہ رجسٹر حاضری پر دستخط کیا اور اپنے کسی ذاتی کام سے نکل پڑے اور طلبہ کا نقصان کرڈالا جب کہ حاضری کی وجہ سے تنخواہ کے بھی مستحق بن گئے، یہ کوتاہیاں بہت عام ہیں۔ اساتذہ اگر غور کریں تو ضرور ان کا ضمیر انھیں خود ملامت کرے گا۔ اگر آخرت کے محاسبے کا خوف ان کے دل میں سما جائے تو جلد ایسی حرکتوں سے توبہ کرتے نظر آئیں گے۔

(۶) یہ بھی ایک حقیقت ہے جس سے مجالِ انکار نہیں کہ تعلیم بغیر تربیت کے تقریباً بے سود ہے بلکہ بسا اوقات مضر ہے، ایک عام آدمی اگر بدعملی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی برائی اسی کی حد تک رہتی ہے لیکن جب کوئی عالم دین بدعملی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی یہ برائی متعدی ہوجاتی ہے، یعنی دوسرے عوام کو بھی اس سے بدعملی میں شہ ملتی ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس کی وجہ سے برائیوں کو فروغ ملے گا وہ بھی گناہ میں شریک مانا جائے گا لہٰذا طلبہ مدارس کو (جو آگے چل کر عالم، امام، مدرس، واعظ بننے والے ہیں) تربیت سے آراستہ کرنا ضروری ہے اور یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ بچپن کی عادتیں آئندہ بھی باقی رہتی ہیں بالعموم یہی ہوتا ہے؛ لہٰذا جو بچپن میں نماز کا پابند بن جائے گا آگے کی زندگی میں خود ہی نماز نہیں چھوڑے گا اور جو بچپن میں نماز سے آزاد رہا بعد میں پابند ہونا امر محال نہیں تو امر دشوار ضرور ہے۔ افسوس کہ زیادہ تر مدارس اور بڑے بڑے دارالعلوموں میں نماز کی پابندی کرانے کا معقول انتظام نہیں، جب کہ اس کی طرف بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یوں ہی بالعموم طلبہ جب تک جان پہچان نہ ہو کسی کو سلام نہیں کرتے، چاہے مولوی، مولانا ہوں یا عام متقی مسلمان، جب کہ حدیث شریف میں ہے: 'سلام اسے بھی کرو جسے پہچانتے ہو اور اسے بھی کرو جسے نہیں پہچانتے'۔ (بخاری شریف) اور کسی کو سلام نہ کرنا یہ تکبر کی علامت ہے، اس سے دور رہنا بھی ضروری ہے؛ چناں چہ حدیث شریف میں آیا: 'جو شخص پہلے سلام کرتا ہے وہ تکبر سے بری ہے'۔ (بہار شریعت: ۱۶/ ۴۵۵، مکتبۃ المدینہ)

تکبر کی مذمت قرآن پاک اور احادیث کریمہ میں بہت آئی ہے، تو جب طلبہ دورانِ تعلیم ہی تکبر کا شکار ہوجائیں گے تو بعد میں اور زیادہ ہی تکبر پسند ہوں۔ پھر وہ قوم کی اصلاح کیا کرپائیں گے، اسی لیے تواضع کی احادیث میں فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ۔ (مشکوٰۃ: ۴۳۴)

جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو بلندی عطا فرماتا ہے۔

یوں ہی بعض مدارس کے طلبہ دوسرے مدارس کے طلبہ پر اپنا تفوق جتاتے ہیں اور دوسروں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ بھی تکبر اور نہایت مذموم حرکت ہے، بلکہ دوسرے کو اعزاز دینا اور خاطر مدارات کرنا، اور اس کو ایسا احساس دلانا کہ وہ سمجھے کہ ہم دونوں ایک ہی ہیں لازم ہے۔ تکبر سے آدمی ذلیل ہوتا ہے اور رب عزوجل ناراض، لہٰذا اس سے بچنے کی بشدت کوشش کرنی چاہیے۔

یوں ہی ایک طالب علم بیمار ہو تو دوسرے طلبہ اس کی عیادت ومزاج پرسی کریں اور اس کی حاجت براری میں پوری کوشش بجالائیں کہ اس کو اجنبیت وغیریت کا احساس نہ ہو، عیادت و حاجت براری کے فضائل بھی احادیث میں بہت آئے ہیں ان پر عمل کرنا طلبہ کے لیے بھی ضروری ہے بلکہ نہایت ضروری۔

کوئی باہر سے اجنبی آدمی آئے، عالم ہو یا غیر عالم اس کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آنا فرض ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اجنبی آدمی کسی کا پتا پوچھتا ہے تو طلبہ جواب دیتے ہیں: ہم نہیں جانتے۔ یا فلاں روم میں چلے جائیے۔ اس طرح کا جواب آنے والے کو بددل کردیتا ہے اور اس پر بہت برا اثر پڑتا ہے، خاص طور سے جب کوئی عام آدمی ہوتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ طلبہ بدخلق ہوتے ہیں یا وہ کہتا ہے: ان کو یہی سکھایا جاتا ہے۔ اس میں ادارے، طلبہ، اور اساتذہ سب کی بے عزتی ہے؛ لہٰذا ایسی حرکت سے ضرور باز رہنا چاہیے، یہ وبا بہت عام ہے، متعدد بار ناچیز راقم الحروف کا اس سے سابقہ پڑا ہے۔ اساتذہ کو اس سلسلے میں سخت تنبیہ سے کام لینا چاہیے۔

ایک سیٹھ صاحب جو بظاہر سادے لباس میں تھے ایک مدرسہ میں گئے، انھوں نے وضو کے لیے ایک صاحب سے لوٹا مانگا، عشا کا

وقت تھا، مدرس صاحب نے لوٹا نہیں دیا اور اشارے سے بتادیا کہ ادھر چلے جائیے، جب کہ وہ کسی طالب علم کو بھی لگا سکتے تھے کہ ان کو لوٹا دے دو یا وضو خانے لے جاؤ، وہ سیٹھ بہت بڑے تھے، کسی طرح جگہ تلاش کر کے وضو بنایا اور نماز پڑھ لی، پھر وہ ذمہ داروں سے مل کر چلے گئے، بعد میں ایک مولانا صاحب سے فرمایا کہ میں تو چندہ دینے گیا تھا مگر مدرسہ والوں کی بد خلقی اور خشکی سے بد دل ہو کر واپس لے آیا۔ چندہ تو کسی بھی مدرسے میں دے کر ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے، ایسے بد خلق لوگوں کو چندہ دینا کوئی زیادہ مفید نہیں۔ غرض کہ حسن خلق کے فوائد و برکات بے شمار ہیں اور بد خلقی کے نقصانات بھی شمار سے باہر ہیں۔

(۷) یہ تماشا بھی بہت دنوں سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ قدیم طلبہ جدید طلبہ کا مذاق اُڑاتے اور ان کو پریشان کرتے ہیں، یہ ایک بدترین تہذیب اور غیر اسلامی رسم ہے جو غالباً دنیاوی یونیورسٹیوں کے طلبہ سے مستعار لی گئی ہے۔ تضحیک اور مذاق کے سلسلے میں قرآن پاک کی یہ تعلیم ہمیشہ نگاہوں کے نہاں خانے میں محفوظ رکھنے کی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (الحجرات: ۴۹/۱۱)

اے ایمان والو! نہ مرد، مردوں سے ہنسیں، عجب نہیں کہ وہ اِن ہنسنے والوں سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے، دور نہیں کہ وہ اِن ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں، اور آپس میں طعنہ نہ کرو، اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو، کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا، اور جو توبہ نہ کریں (ان حرکتوں سے) تو وہی ظالم ہیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت سے چند اخلاقی باتوں پر روشنی پڑتی ہے:

☆ کسی کا مذاق بنانا ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔ کسی سچے مسلمان کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا۔

☆ کسی کا مذاق اُڑا کر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم بہر حال اس سے بہتر ہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس کا مذاق اُڑایا جاتا ہے وہ اس مذاق اُڑانے والے سے بہتر ہوتا ہے، اور جب اس کی بہتری ظاہر ہوتی ہے تو اسے شرمندگی اور خفت اُٹھانی پڑتی ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آج وہ کسی معاملے میں کمزور ضرور ہے لیکن جلد ہی محنت کر کے آگے نکل جائے، پھر اس مذاق اُڑانے والے کا کہیں وہ نہ مذاق اُڑانے لگے، پھر تو بڑی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

☆ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو برے القاب سے یاد نہ کرے مثلاً کلوا، نٹوا، لنگڑا، وغیرہ کہہ کر کسی کو نہ پکارے، سوائے اس صورت کے کہ اس قسم کا نام علَم (خاص نام) کی حیثیت اختیار کر گیا ہو، یعنی برائی اور مذاق کی نیت سے ایسے الفاظ کسی کے لیے نہ بولے جائیں۔

☆ ایک دوسرے کو طعنہ نہ دے کہ اس سے آدمی کو بہت زیادہ تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے، اور کبھی کبھی اس کا انجام بہت بھیانک ہو جاتا ہے، قتل تک کی نوبت آجاتی ہے۔

☆ اور ایسا کرنا فِسق ہے، اس سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے، اور ایک مسلمان کے لیے فاسق ہونا بہت ہی بری بات ہے۔

☆ ایسی حرکتیں کسی سے سرزد ہو جائیں تو چاہیے کہ جلد توبہ کر کے اپنے کو پاک کر لے، اور اگر ضد، ہٹ دھرمی اور تکبر کی وجہ سے توبہ سے گریز کیا تو یہ ظلم ہے اور ایسا کرنے والا ظالم۔

یہ اخلاقی تعلیمات صرف طلبہ کے لیے ہی نہیں ہیں اساتذہ اور مدرسین کے لیے بھی ان میں عبرت کے نمونے موجود ہیں؛ کیوں کہ بسا اوقات زیادہ صلاحیت والے مدرسین کم صلاحیت والے مدرسین کا مذاق اُڑایا کرتے اور ان کو حقیر ظاہر کرتے ہیں اور ان کی کمزوریوں کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں، ان کے لیے بھی یہ حکم عام ہے بلکہ یہ پڑھا لکھا معلم طبقہ زیادہ ذمہ دار ہے کہ ان کا کردار طلبہ کے لیے نمونے کا کام کرتا ہے۔

۸: سرکاری، نیم سرکاری اور خالص پرائیویٹ مدارس میں تنخواہوں کو لے کر بھی آئے دن عجیب و غریب اور غیر شرعی حرکتوں کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔ مدرس حیلے بہانے سے تنخواہوں کا مستحق بتاتا ہے اور کمیٹی والے، کہیں محض ناظم تنخواہ بچانے کی کوشش کرتا ہے، اور فریقین میں ہر ایک ہی غلط روش کا شکار ہوتا رہتا ہے، اس سلسلے

میں جو بھی ضابطہ بنایا گیا ہو اولاً تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں، اگر ہے تو دور کی جائے، ورنہ ہر ایک ضابطۂ مدرسہ کا لحاظ کرے، نہ مدرس کی حق تلفی ہو نہ مدرسے سے یا گورنمنٹ سے ناجائز تنخواہ وصول کی جائے کہ ناجائز تنخواہ حرام کا درجہ رکھتی ہے، اس کا لینا اور کھانا حرام و ناجائز ہی ہوگا۔ یوں ہی مدرس کا واجبی حق نہ دینا بھی گناہ ہے چاہے کمیٹی والے ایسا کریں یا کوئی عہدے دار کرے، ناجائز بہر حال ناجائز ہے۔

کچھ لوگ ایسے مواقع پر مدرسے کے فائدہ کی بات کرتے ہیں تو انھیں سن لینا چاہیے کہ فائدہ اگر جائز طریقے سے ہو تو اچھی بات ہے مگر کسی کا حق مار کر اور ناجائز طریقے سے مدرسے کو فائدہ پہنچانا کسی طرح جائز نہیں بلکہ گناہ اور ظلم بھی ہے۔ جو پیسہ ظلم کر کے حاصل کیا جائے یا بچایا جائے وہ کسی طرح مدرسے کے لائق نہیں اور نہ اس کو مدرسہ کے صرف میں لانا جائز، ظلم بہر حال ظلم ہے اور اس کا انجام برا۔

افسوس کہ مدرسین ہوں یا ارکانِ ادارہ، حلال و حرام کی تمیز ہر ایک سے اُٹھتی جا رہی ہے، مدارس جو دینی تعلیمات کا مرکز ہیں وہیں سے دین و شریعت کا جنازہ نکلتا نظر آ رہا ہے۔ اس سلسلے میں میری رائے ہے کہ مدارس میں ملازمین و ارکان کے درمیان جب بھی اختلافات رونما ہوں تو فقہ و فتویٰ میں تبحر رکھنے والے علما و مفتیانِ کرام سے استصواب کر کے جو شرعی حکم سامنے آئے اسی پر فریقین کو عمل کرنا چاہیے، اخلاص و دین داری کا بھی یہی تقاضا ہے، ہر فریق اپنی اَنا پر اَڑا رہے گا اور ہر ایک اپنے اپنے مفادات کے پیچھے آنکھ بند کر کے دوڑتا رہے گا تو پھر فیصلۂ حق کی صبح، قیامت تک نمودار نہ ہوگی۔

آج مدارس اور خانقاہیں بہت تیزی کے ساتھ اپنی افادیت و اہمیت کھوتی جا رہی ہیں، اخلاقی قدروں کا فقدان بڑھتا جا رہا ہے، مادہ پرستی کا ہر جگہ غلبہ نظر آ رہا ہے؛ لہٰذا ان حالات میں ہر ایک کو اپنے ماضی کی طرف جھانک کر دیکھنے اور اسلاف کرام کے نظامِ عمل کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج بھی اگر خانقاہیں اور مدارس اپنا نظام درست کر لیں تو بہت جلد ہم ایک پاکیزہ انقلاب کی آہٹ محسوس کریں گے۔ اس سلسلے میں ہم حضرت مولانا عبد الحامد قادری بدایونی کی ایک شاندار کتاب 'نظامِ عمل' سے ایک اقتباس ہدیۂ ناظرین کر کے اپنی بات کو پوری کر رہے ہیں۔ مولانا خانقاہوں اور مدارس کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''☆تبلیغ و اشاعت دین کے لیے ہمارے مدارس اور خانقاہوں نے جو عمیق خدمات انجام دی ہیں تاریخ اس کی شاہد ہے، علما و مشائخ ہی تھے جنھوں نے دنیا کے ہر حصۂ ملک میں پہنچ کر اسلام کی دعوت دی اور اپنے ولولۂ عمل اور مجاہدات سے دنیا کو مسخر کر ڈالا، وہ نام و نمود سے دور، حق و صداقت، خلوص و للّٰہیت کا نمونہ تھے۔

☆ان کی خانقاہوں سے روحانی اور مذہبی تربیت دی جاتی، شاگردوں سے شدید ترین ریاضتیں کرائی جاتیں تاکہ مجاہدات کے عادی ہو کر اسلام کی خدمت میں ہر مصیبت برداشت کر سکیں۔

ایک موقع پر حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **لیس الاعتبار بالخرقة انما الاعتبار بالحرقة۔**

ہمارے یہاں خرقے کا اِعتبار نہیں بلکہ اعتبار حرقہ (یعنی خود کو جلا دینے) کا ہے۔

☆ان حضرات کے شاگردوں کو اس وقت تک خرقۂ خلافت نہ دیا جاتا جب تک وہ اپنے وجود کو عشق الٰہی میں فنا نہ کر دیتے۔ جس وقت یہ جماعت روحانی علوم کی تکمیل کر لیتی اور شیخ کی نظر میں یہ حضرات مکمل ہو جاتے تو ایک ایک حصۂ ملک دعوت و تبلیغ کے لیے تجویز فرما کر روانہ کیا جاتا، پھر یہ روحانی معلّمین جہاں پہنچتے ان کی زندگی کا مقصد صرف خدمت خلق ہوتا، نہ تو انھوں نے اپنے مریدین کو جلبِ منفعت کا ذریعہ بنایا، نہ ان کو بلند عمارتوں، محلاتِ شاہی کا شوق تھا وہ اپنی کملی اور ٹوٹی جھونپڑی میں بادشاہت کرتے تھے۔

☆ آج بھی ان حضرات کی روحیں اپنی اپنی آرام گاہوں میں رہ کر رشد و ہدایت فرما رہی ہیں لیکن جو اُن کے نام لیوا ہیں وہ اپنے جادۂ ہدایت سے کوسوں دور ہیں۔ کاش! ہمارے صوفیہ کرام کی محترم جماعت اپنے اہم فرائض پر غور کرے اور خانقاہوں میں قدیم نظامِ عمل جاری کرے تو آج ہماری قوم کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔

☆طلبہ روحانی جمع کیے جائیں، خلفا و مریدین کو سلف کی تعلیمات دے کر رشد و ہدایت کے لیے ایک ایک گوشے میں پھیلا دیا جائے، اگر ہماری خانقاہیں اشاعت دین کے لیے متحرک ہو جائیں تو پھر قلیل عرصے میں ان کے نتائج بہتر سے بہتر رونما

ہو سکتے ہیں۔

☆اعراس ومحافل وغیرہ میں اکابر اولیاء اللہ کی خدا پرستی، خشیت الٰہی، اطاعت نبوی، خدمت خلق کے کارنامے سنائے جائیں، محض کشف وکرامات ہی پر تقاریر محدود نہ رکھی جائیں بلکہ ان حضرات کی زندگی کے تمام گوشے مریدین ومعتقدین کے سامنے پیش کیے جائیں تاکہ مردہ قلوب میں حیاتِ نو پیدا ہو، مجاہدات وریاضت کے طریقوں کی تعلیم دی جائے، مریدین وخلق کو سادگی وایثار، خدمت قومی ومذہبی کا عادی بنایا جائے۔ یہی وہ مبارک مقاصد تھے جن پر مشائخ کبار نے عمل فرمایا۔''

(نظام عمل: ص ۲۴۹ تا ۲۵۰۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

مدارس اور خانقاہوں میں ہم آہنگی ایک ضروری چیز ہے، مدارس روحانی وقار بحال کریں تو خانقاہیں علم شریعت کے حصول کی طرف جادہ پیما ہوں۔ روحانیت سے عاری اور خشک علم بھی تباہی کا پیش خیمہ ہے اور طریقت کا نام لے کر شریعت سے دور رہنے والی خانقاہیں نظام عالم کو تباہی کے دہانے کی طرف لے جانے والی ہیں۔ علم پر طریقت کا روغن چڑھانا چاہیے اور طریقت تو بے شریعت بے حقیقت ہے ہی، اس میں علم شریعت کی روح پھونکنا زندگی کی علامت ہے۔ آج امت میں جو انتشار ہے میں سمجھتا ہوں اس کی بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت والے طریقت سے دور ہوتے جارہے ہیں اور طریقت کے نام لیوا شریعت سے نابلد۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ جو علم شریعت وطریقت دونوں کے امام تھے فرماتے ہیں:

''شریعت تمام احکام جسم وجان وروح وقلب وجملہ علوم الٰہیہ ومعارف نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے۔'' (مقال عرفا باعزاز شرع وعلما)

یعنی بغیر شریعت آدمی طریقت میں قدم ہی نہیں رکھ سکتا۔ مدارسِ اسلامیہ میں طریقت کے مسائل بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ قرآن پاک حدیث شریف حتی کہ فقہ میں بھی طریقت کے مسائل ورموز ہیں لیکن سرسری پڑھنے پڑھانے والوں کی نگاہیں وہاں نہیں پہنچتی ہیں۔ اس لیے سب کچھ پڑھ کر بھی روحانیت سے کورے رہ جاتے ہیں، اس کے لیے سچے مرشد کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن مرشد کی صحبت وتربیت سے ہی کچھ کام بنتا ہے؛ ورنہ مروجہ پیری مریدی تو محض حصولِ نسبت کا نام ہے، اگر چہ یہ بھی بہت کارآمد ہے لیکن تربیت چیزے دیگر است، پھر بھی مدرسین توجہ دیں تو بہت سے مسائل تصوف اور رموزِ طریقت کا استخراج کرسکتے ہیں، اور اگر استاذ باعمل وبااخلاق ہے تو اس کی ذرا سی توجہ سے تلامذہ اخلاق وتصوف کا درس لے سکتے ہیں، اور روحانیت کی تعلیم بھی۔

●●

(ص ۲۳ کا بقیہ) تھوڑا سا اور دماغ پر زور ڈال کر سوچیے! کہ جس طرح امامت کو شرائط کے ساتھ گھیرا گیا بالکل اسی طرح مقتدی کو بھی پابندیوں کے تلے دبایا گیا، اگر ایک رکعت چھوٹ بھی گئی تو مقتدی کو جماعت سے الگ نہیں ہوجانا ہے بلکہ آخری قعدہ میں شامل ہونے کا موقع ملے تو بھی شریک ہونا ہے، جماعت میں جوڑنے کا کیا خیال رکھا گیا، یہاں رک کر بار بار سوچیے! آخری حد تک جماعت میں جوڑنے کا سبق نماز سکھاتی ہے، آخر آج نمازیوں کو کیا ہوگیا کہ جماعت سے نماز پڑھ کر اپنوں کو جماعت سے نکالنے کی سوچ رہے ہیں، بخدا! نماز امامت وقیادت کا جو سبق سکھاتی ہے، اگر رہبران قوم اس سبق کو زندگی میں ڈھال لیں اور ساتھ ہی اطاعت و اِنقیاد کا جو سبق ازبر کراتی ہے اگر پیروکار اپنی زندگی کے سانچے میں اتار لیں تو معاشرہ یوں منظم ہوگا کہ پھر سے سیلِ رواں بن کر بڑھتے جائیں گے۔ بقول شاعر:

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین
ورنہ ٹوٹے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

نماز عبادت ضرور ہے لیکن صرف عبادت نہیں، پورے دین کی عمارت نماز پر کھڑی ہے، یہ تو نماز کے چند گوشے ہیں جن کا محض سطحی جائزہ لیا گیا، نماز کے طبی فوائد، معاشی، معاشرتی سطح پر زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات حیران کن ہیں، بس نماز کی اہمیت سمجھنے کے لیے اس حدیث کو غور بار بار پڑھیے، ان شاء اللہ بہت سے بند دروازے آپ پر بھی کھل جائیں گے۔

''نماز دین کا ستون ہے، جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا، جس اسے ترک کیا اس نے دین کو ڈھادیا''۔

●●

حضرت ذوالقرنین کون تھے

آیات کریمہ، احادیث نبویہ اور علما کے اقوال کی روشنی میں حیات طیبہ کی ایک جھلک

از: مولانا محمد جابر خاں مصباحی

جس ذوالقرنین کا قرآن مجید میں ذکر ہے، تاریخی طور پر وہ کون شخص ہیں، تاریخ کی مشہور شخصیتوں میں سے یہ داستان کس پر منطبق ہوتی ہے، اس سلسلے میں مفسرین کے مابین اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں جو بہت سے نظریات پیش کیے گئے ہیں ان میں سے یہ تین زیادہ اہم ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ اسکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہیں لہٰذا وہ اسے اسکندر ذوالقرنین کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کی موت کے بعد روم، مغرب اور مصر پر تسلط حاصل کیا۔ اس نے اسکندریہ شہر بنایا پھر شام اور بیت المقدس پر اقتدار قائم کیا۔ وہاں سے ارمنستان گئے، عراق و ایران کو فتح کیا پھر ہندوستان اور چین کا قصد کیا وہاں سے خراسان پلٹ آئے۔ انہوں نے بہت سے نئے شہروں کی بنیاد رکھی۔ پھر وہ عراق آ گئے۔ اس کے بعد وہ شہر زور میں بیمار پڑ گئے اور وصال کر گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی عمر چھتیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ ان کا جسد خاکی اسکندریہ لے جا کر دفن کر دیا گیا۔

مؤرخین میں سے بعض کا نظریہ یہ ہے کہ ذوالقرنین یمن کے ایک بادشاہ تھے۔ اصمعی نے اپنی تاریخ ''عرب قبل از اسلام'' میں، ابن ہشام نے اپنی مشہور تاریخ ''سیرۃ'' میں اور ابو ریحان بیرونی نے ''الآثار الباقیۃ'' میں یہی نظریہ پیش کیا ہے۔ اس سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ یمن کی ایک قوم ''حمیری'' کے شعرا اور زمانۂ جاہلیت کے بعض شعرا کے کلام میں دیکھا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ذوالقرنین کے اپنے میں سے ہونے پر فخر کیا ہے۔ جدید ترین نظریہ ابوالکلام آزاد نے پیش کیا ہے۔ ابوالکلام آزاد نے اس سلسلے میں ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ اس نظریے کے مطابق ذوالقرنین دراصل ''کورش کبیر''، ''بادشاہ ہخامنشی'' ہے۔ آزاد کے اس نظریے اور تحقیق پر بحث ہو سکتی ہے۔ ابوالکلام آزاد کی اس تحقیقی کتاب کا ترجمہ ''ذوالقرنین یا کورش کبیر'' کے نام سے ہو چکا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ذوالقرنین کا معنی ہے: دو سینگوں والا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھیں اس نام سے کیوں موسوم کیا گیا۔ بعض کا نظریہ ہے کہ یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ دنیا کے مشرق و مغرب تک پہنچے کہ جسے عرب قرنی الشمس (سورج کے دو سینگ) سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نام اس لیے ہوا کہ انہوں نے دو قرن زندگی گزاری یا حکومت کی۔ اور پھر یہ کہ قرن کی مقدار کتنی ہے، اس میں بھی مختلف نظریات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے سر کے دونوں طرف ایک خاص قسم کا اُبھار تھا اس وجہ سے ذوالقرنین مشہور ہو گئے۔ بعض کا نظریہ یہ بھی ہے کہ ان کا خاص تاج دو شاخوں والا تھا۔

قرآن مجید سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ممتاز صفات کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے اسباب ان کے اختیار میں دیے تھے، انہوں نے تین اہم لشکر کشیاں کیں۔ پہلے مغرب کی طرف، پھر مشرق کی طرف اور آخر میں ایک ایسے علاقے کی طرف کہ جہاں ایک کوہستانی دُرّہ موجود تھا۔ اس مسافرت میں وہ مختلف اقوام سے ملے۔ وہ ایک مرد مومن، موحد اور مہربان شخص تھے۔ وہ عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ اسی بنا پر اللہ کا لطف خاص ان کے شامل حال تھا۔ وہ نیکوں کے دوست اور ظالموں کے دشمن تھے۔ انھیں دنیا کے مال و دولت سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ وہ اللہ پر بھی ایمان رکھتے تھے اور روز جزا پر بھی۔ انہوں نے ایک نہایت مضبوط دیوار بنائی ہے، یہ دیوار انہوں نے اینٹ اور پتھر کے بجائے لوہے اور تانبے سے بنائی (اور اگر دوسرے مصالحے بھی استعمال ہوئے ہوں تو ان کی بنیادی حیثیت نہ تھی)۔ اس دیوار بنانے سے ان کا مقصد مستضعف اور ستم دیدہ لوگوں کی یاجوج و ماجوج کے ظلم و ستم کے مقابلے میں مدد کرنا تھا۔

وہ ایسے شخص تھے کہ نزول قرآن سے قبل ان کا نام لوگوں میں مشہور تھا لہٰذا قریش اور یہودیوں نے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا جیسا کہ قرآن کہتا ہے: تجھ سے

استاذ مدرسہ بدر العلوم، جس پور، اتراکھنڈ

ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت سے بہت سی ایسی روایات منقول ہیں جن میں ہے کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ اللہ کے ایک صالح بندے تھے۔

بعض لوگ چاہتے ہیں کہ اسے مشہور دیوار چین پر منطبق کریں کہ جو اس وقت موجود ہے اور کئی سو کلومیٹر لمبی ہے لیکن واضح رہے کہ دیوار چین لوہے اور تانبے سے نہیں بنی ہے اور نہ وہ کسی چھوٹے کوہستانی درے میں ہے۔ وہ ایک عام مصالحے سے بنی ہوئی دیوار ہے۔ بعض کا اصرار ہے کہ یہ وہی دیوار ''مآرب'' ہے کہ جو یمن میں ہے، یہ ٹھیک ہے کہ دیوار'' مآرب'' ایک کوہستانی درے میں بنائی گئی ہے لیکن وہ سیلاب کو روکنے کے لیے اور پانی ذخیرہ کرنے کے مقصد سے بنائی گئی ہے اور ویسے بھی وہ لوہے اور تانبے سے بنی ہوئی نہیں ہے۔

بعض علما و محققین کے مطابق سرزمین قفقاز میں دریائے خزر اور دریائے سیاہ کے درمیان پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے کہ جو ایک دیوار کی طرح شمال اور جنوب کو ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے۔ اس میں ایک دیوار کی طرح کا درہ موجود ہے جو مشہور درہ داریال ہے۔ یہاں اب تک ایک قدیم تاریخی لوہے کی دیوار نظر آتی ہے۔ اسی بنا پر بہت سے لوگوں کا نظریہ ہے کہ دیوارِ ذوالقرنین یہی ہے۔ وہیں قریب ہی میں ''سائرس'' نامی ایک نہر ہے اور'' سائرس'' کا معنی'' کورش'' ہے۔ کیوں کہ یونانی کورش کو سائرس کہتے تھے)۔ ارمنی کے قدیم آثار میں اس دیوار کو'' بھاگ گورائی'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس لفظ کا معنی ہے'' درۂ کورش'' یا'' معبر کورش'' (کورش کے عبور کرنے کی جگہ)۔ یہ سند نشان دہی کرتی ہے کہ اس دیوار کا بانی کورش ہی تھا۔ باذوق حضرات اس سلسلے میں مزید آگاہی کے لیے تفسیر نمونہ جلد ۷، صفحہ ۱۹۷ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

قرآن و حدیث میں بھی حضرت ذوالقرنین کا ذکر موجود ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ چند قریشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آزمانا چاہا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مدینے کے یہودیوں کے مشورے سے تین مسئلے پیش کیے۔ ایک اصحاب کہف کے بارے میں تھا، دوسرا مسئلہ روح کا تھا اور تیسرا ذوالقرنین سے متعلق۔ ذوالقرنین کی داستان ایسی ہے کہ جس پر طویل عرصے سے فلاسفہ اور محققین غور وخوض کرتے چلے آئے ہیں اور ذوالقرنین کی معرفت کے لیے انہوں نے بہت کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں پہلے ہم ذوالقرنین سے مربوط جو کچھ قرآن میں بیان ہوا ہے وہ بیان کرتے ہیں کیونکہ تاریخی تحقیق سے قطع نظر ذوالقرنین کی ذات خود سے ایک بہت ہی تربیتی درس کی حامل ہے اور اس کے بہت سے قابل غور پہلو ہیں۔ اس کے بعد ذوالقرنین کی شخصیت کو جاننے کے لیے ہم آیات، روایات اور مؤرخین کے اقوال کا جائزہ لیں گے۔

قرآن کہتا ہے: تجھ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں: کہہ دو عنقریب اس کی سرگزشت کا کچھ حصہ تم سے بیان کروں گا۔ (سورۂ کہف: آیت ۸۳)

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ پہلے بھی ذوالقرنین کے بارے میں بات کیا کرتے تھے۔ البتہ اس سلسلے میں ان میں اختلاف اور ابہام پایا جاتا تھا اسی لیے انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضروری وضاحتیں چاہی تھیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے: ہم نے اسے زمین پر تمکنت عطا کی (قدرت، ثبات قوت اور حکومت بخشی) اور ہر طرح کے وسائل اور اسباب اس کے اختیار میں دیے۔ اس نے بھی ان سے استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ سورج کے مقام غروب تک پہنچ گیا۔ وہاں اس نے محسوس کیا کہ سورج تاریک اور کیچڑ آلود چشمے یا دریا میں ڈوب جاتا ہے۔ (سورۂ کہف: آیت ۸۴)

بعض مفسرین نے آیت میں موجود لفظ قلنا (ہم نے ذو القرنین سے کہا) سے ان کی نبوت پر دلیل قرار دیا ہے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ اس جملے سے قلبی الہام مراد ہو کہ جو غیر انبیا میں بھی ہوتا ہے۔

وہاں اس نے ایک قوم کو دیکھا (کہ جس میں اچھے برے ہر طرح کے لوگ تھے) تو ہم نے ذوالقرنین سے کہا کہ تم انھیں سزا دینا چاہو گے یا اچھی جزا۔ (سورۂ کہف: آیت ۸۵)

ذوالقرنین نے کہا: وہ لوگ کہ جنہوں نے ظلم کیا، انھیں تو ہم سزا دیں گے اور وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جائیں گے اور اللہ انھیں شدید عذاب کرے گا۔ (سورۂ کہف: آیت ۸۷)

یہ ظالم وستمگر دنیا کا عذاب بھی چکھیں گے اور آخرت کا بھی۔ اور رہا وہ شخص کہ جو باایمان ہے اور عمل صالح کرتا ہے اسے اچھی جزا ملے گی اور اسے ہم آسان کام سونپیں گے۔ (سورۂ کہف: آیت ۸۸)

اس سے بات بھی محبت سے کریں گے اور اس کے کندھے پر سخت ذمہ داریاں بھی نہیں رکھیں گے اور اس سے زیادہ خراج بھی وصول نہیں کریں گے۔

ذوالقرنین کے اس بیان سے گویا یہ مراد تھی کہ توحید پر ایمان اور ظلم وشرک اور برائی کے خلاف جدوجہد کے بارے میں میری دعوت پر لوگ دوگروہوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہوگا جو خدائے تعالیٰ کے اس تعمیری پروگرام کو مطمئن ہوکر تسلیم کرلیں گے تو انھیں اچھی جزا ملے گی اور وہ آرام وسکون سے زندگی گزاریں گے جبکہ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو اس دعوت سے دشمنی پر اتر آئیں گے اور شرک وظلم اور برائی کے راستے پر ہی قائم رہیں گے انھیں سزادی جائے گی۔

ذوالقرنین نے اپنا مغرب کا سفر تمام کیا اور مشرق کی طرف جانے کا عزم کیا اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے: جو وسائل اس کے اختیار میں تھے اس نے ان سے پھر استفادہ کیا اور اپنا سفر اسی طرح جاری رکھا یہاں تک کہ سورج کے مرکز طلوع تک جا پہنچا۔وہاں اس نے دیکھا سورج ایسے لوگوں پر طلوع ہورہا ہے کہ جن کے پاس سورج کی کرنوں کے علاوہ تن ڈھانپنے کی کوئی چیز نہیں ہے۔(الکھف: آیت ۸۹/ ۹۰)

یہ لوگ بہت ہی پست درجے کی زندگی گزارتے تھے یہاں تک کہ برہنہ رہتے تھے یا بہت ہی کم مقدار لباس پہنتے تھے کہ جس سے ان کا بدن سورج سے نہیں چھپتا تھا۔بعض مفسرین نے اس احتمال کو بھی بعید قرار نہیں دیا کہ ان کے پاس رہنے کو گھر بھی نہ تھے کہ وہ سورج کی تپش سے بچ سکتے۔اس سلسلے میں ایک اور احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ وہ لوگ ایسے بیابان میں رہتے تھے کہ جس میں کوئی پہاڑ، درخت، پناہ گاہ اور کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ وہ سورج کی تپش سے بچ سکتے گویا اس بیابان میں ان کے لیے کوئی سایہ بھی نہ تھا۔

جی ہاں! ذوالقرنین کا معاملہ ایسا ہی ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کے اختیار میں (اپنے اہداف کے حصول کے لیے) کیا وسائل تھے۔(سورۂ کہف: آیت ۹۱)

بعض مفسرین نے یہاں اس احتمال ذکر کیا ہے کہ یہ جملہ ذو القرنین کے کاموں اور پروگراموں میں اللہ کی ہدایت کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن میں حضرت ذوالقرنین کے ایک اور سفر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

اس کے بعد اس نے حاصل وسائل سے پھر استفادہ کیا۔(سورۂ کہف: آیت ۹۲)

اور اس طرح اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا وہاں ان دوگروہوں سے مختلف ایک اور گروہ کو دیکھا۔یہ لوگ کوئی بات نہیں سمجھتے تھے۔(سورۂ کہف: آیت ۹۳)

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کوہستانی علاقے میں جا پہنچے۔ مشرق اور مغرب کے علاقے میں وہ جیسے لوگوں سے ملے تھے یہاں ان سے مختلف لوگ تھے۔یہ لوگ انسانی تمدن کے اعتبار سے بہت ہی پسماندہ تھے کیوں کہ انسانی تمدن کی سب سے واضح مظہر انسان کی گفتگو ہے۔بعض نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ یہ مراد نہیں کہ وہ مشہور زبانوں میں سے کسی کو جانتے نہیں تھے بلکہ وہ بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے تھے یعنی فکری لحاظ سے وہ بہت پسماندہ تھے۔

اس وقت یہ لوگ یاجوج ماجوج نامی خونخوار اور سخت دشمن سے بہت تنگ اور مصیبت میں تھے۔ذوالقرنین جو عظیم قدرتی وسائل کے حامل تھے، ان کے پاس پہنچے تو انھیں بڑی تسلی ہوئی۔انہوں نے ان کا دامن پکڑلیا اور کہنے لگے: اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج اس سرزمین پر فساد کرتے ہیں۔کیا یہ ممکن ہے کہ خرچ آپ کو ہم دے دیں اور آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنادیں۔(کہف: آیت ۹۴)

وہ ذوالقرنین کی زبان تو نہیں سمجھتے تھے اس لیے ہوسکتا ہے کہ یہ بات انہوں نے اشارے سے کی ہو یا پھر ٹوٹی پھوٹی زبان میں اظہارِ مدعا کیا ہو۔یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا کہ ہوسکتا ان کے درمیان مترجمین کے ذریعے بات چیت ہوئی ہو یا پھر خدائی الہام کے ذریعے حضرت ذوالقرنین نے ان کی بات سمجھی ہو جیسے حضرت سلیمان بعض پرندوں سے بات کرلیا کرتے تھے۔ان لوگوں کی اس گزارش سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی اقتصادی حالت اچھی تھی لیکن سوچ بچار، منصوبہ بندی اور صنعت کے لحاظ سے وہ کمزور تھے۔لہٰذا وہ اس بات پر تیار تھے کہ اس اہم دیوار کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیں، اس شرط کے ساتھ ذوالقرنین اس کی منصوبہ بندی اور تعمیر کی ذمہ داری قبول کرلیں۔

اس پر ذوالقرنین نے انہیں جواب دیا: یہ تم نے کیا کہا؟ اللہ نے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے، وہ اس سے بہتر ہے کہ جو تم مجھے دینا چاہتے۔

(سورۂ کہف: آیت ۹۵)

میں تمہاری مالی امداد کا محتاج نہیں ہوں۔تم قوت وطاقت کے ذریعے میری مدد کروتا کہ میں تمہارے اور ان دو مفسد قوموں کے درمیان مضبوط اور مستحکم دیوار بنادوں۔(سورۂ کہف: آیت ۹۶)

پھر ذوالقرنین نے حکم دیا کہ لوہے کی بڑی بڑی سلیں میرے پاس لے آؤ۔(سورۂ کہف: آیت ۹۶)

جب لوہے کی سلیں آ گئیں تو انھیں ایک دوسرے پر چننے کا حکم دیا یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ پوری طرح چھپ گئی۔(سورۂ کہف: آیت ۹۶)

تیسرا حکم ذوالقرنین نے یہ دیا کہ آگ لگانے کا مواد (ایندھن وغیرہ) لے آؤ اور اسے اس دیوار کے دونوں طرف رکھ دو اور اپنے پاس موجود وسائل سے آگ بھڑکاؤ اور اس میں دھونکو یہاں تک کہ لوہے کی سلیں انگاروں کی طرح سرخ ہوکر آخر پگھل جائیں۔(سورۂ کہف: آیت ۹۶)

درحقیقت وہ اس طرح لوہے کے ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ کر ایک کردینا چاہتے تھے۔یہی کام آج کل خاص مشینوں کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے، لوہے کی سلوں کو اتنی حرارت دی گئی کہ وہ نرم ہوکر ایک دوسرے سے مل گئیں۔

پھر ذوالقرنین نے آخری حکم دیا کہ پگھلا ہوا تانبا لے آؤ تاکہ اسے اس دیوار کے اوپر ڈال دوں۔(سورۂ کہف: آیت ۹۶)

اس طرح اس لوہے کی دیوار پر تانبے کا لیپ کرکے اسے ہوا کے اثر سے اور خراب ہونے سے محفوظ کردیا۔بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ موجودہ سائنس کے مطابق اگر تانبے کی کچھ مقدار لوہے میں ملادی جائے تو اس کی مضبوطی بہت زیادہ ہوجاتی ہے۔ ذوالقرنین چونکہ اس حقیقت سے آگاہ تھے اس لیے انہوں نے یہ کام کیا۔آخرکار یہ دیوار اتنی مضبوط ہوگئی کہ اب وہ مفسد لوگ نہ اس کے اوپر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے۔(سورۂ کہف: آیت ۹۷)

یہاں پر ذوالقرنین نے بہت اہم کام انجام دیا تھا۔مغروروں کی روش تو یہ ہے کہ ایسا کام کرکے وہ بہت فخر وناز کرتے ہیں یا احسان جتلاتے ہیں لیکن ذوالقرنین چوں کہ مرد خدا تھے لہٰذا انتہائی ادب کے ساتھ کہنے لگے: یہ میرے رب کی رحمت ہے۔(ایضاً: آیت ۹۷)

اگر میرے پاس ایسا اہم کام کرنے کے لیے علم وآگاہی ہے تو یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر مجھ میں کوئی طاقت ہے اور میں بات کرسکتا ہوں تو وہ بھی اس کی طرف سے ہے اور اگر یہ چیزیں اور GG کا ڈھالنا میرے اختیار میں ہے تو یہ بھی پروردگار کی وسیع رحمت کی برکت ہے۔میرے پاس کچھ بھی میری اپنی طرف سے نہیں ہے کہ جس پر میں فخر وناز کروں اور میں نے کوئی خاص کام بھی نھیں کیا کہ اللہ کے بندوں پر احسان جتاتا پھروں۔اس کے بعد مزید کہنے لگے: یہ نہ سمجھنا کہ یہ کوئی دائمی دیوار ہے جب میرے پروردگار کا حکم آجائے گا تو یہ درہم برہم ہوجائے گی اور زمین بالکل ہموار ہوجائے گی۔میرے رب کا وعدہ حق ہے۔(سورۂ کہف: آیت ۹۸)

یہ کہہ کر ذوالقرنین نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اختتام دنیا اور قیامت کے موقع پر یہ سب کچھ درہم برہم ہوجائے گا۔

●●

(صفحہ ۱۴ کا بقیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ذمہ دار اور مقتدیٰ ورہبر تھے۔آپ نے جس طرح ان کی دینی امور ومعاملات اور اخروی عمل میں رہنمائی کی اور کرتے رہے، اسی طرح آپ نے ان کی دنیوی امور اور کسب معاش میں بھی مکمل رہنمائی کی اور اس کا ایک مکمل نظام پیش کیا۔اسلام سے پہلے تک یہ معاشی شعبہ جس ظلم وبربریت کا شکار تھا آپ نے اس کا خاتمہ کرکے اسے متوازن بنایا اور اس کی اصلاح کرکے صحیح نہج پر ڈالا۔ان تمام کاروبار کو حرام وناجائز قرار دے دیا جس میں اپنا یا دوسروں کا نقصان تھا، جس میں دوسروں کا خون چوسا جارہا تھا یا جس میں دھوکا دہی وفریب کاری کے ذریعہ دوسروں سے مال حاصل کیا جاتا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے معاشی نظام کو اس طرح بدل دیا اور اس کی اصلاح کردی کہ اس میں نہ کہیں نزاع کا شائبہ باقی رہا، نہ ظلم وتعدی کا اور اس پر عمل کرتے ہوئے لوگوں نے جس طرح اخروی امور میں کمال حاصل کیا دنیوی امور میں بھی بلندی ورفعت حاصل کی اور نادار سے نادار شخص بھی تھوڑی محنت کرکے مالدار ہوگیا۔

●●

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اور فکر رضا

از: مولانا محمد ظہیر الدین مصباحی

جلالۃ العلم استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی ثم مبارک پوری علیہ الرحمۃ والرضوان ۱۳۱۲ھ میں پیدائش ہوئی، آپ چودھویں صدی ہجری کی ایک ایسی عظیم اور تاریخ ساز شخصیت کا نام ہے جن کے دم قدم سے دین اور علم دین کا بھرم قائم ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں حضور حافظ ملت ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ تعلیم وتدریس کے میدان میں دھوم مچانے کے ساتھ ساتھ عظیم دینی درسگاہ کا بھی قیام فرمایا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی کہ انھوں نے سیکڑوں کتابیں تحریر فرمائی تو حضور حافظ ملت نے ان کتابوں میں مکتوب پیغامات ونظریات کو عام وتام کرنے کے لیے افراد پیدا کیا۔ آیئے! اصل عنوان سے پہلے حیات حضور حافظ ملت پر سرسری نظر ڈالیں:

حیات حافظ ملت ایک نظر میں

تفصیلات	سن ہجری	سن عیسوی
ولادت تخمیناً	۱۳۱۲ھ	۱۸۹۴ء
تکمیل حفظ قرآن مدرسہ حفظ القرآن، مراد آباد	۱۳۳۴ھ	۱۹۱۵ء
عربی تعلیم کا آغاز بخدمت مولانا حکیم محمد شریف مراد آبادی	۱۳۳۹ھ	۱۹۲۱ء
حصول تعلیم کے لیے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخلہ	۱۳۳۹ھ	۱۹۲۱ء
دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف میں حضرت صدر الشریعہ سے اکتساب علوم	۱۳۴۲ھ	۱۹۲۴ء
شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے بیعت وارادت	۱۳۵۰ھ	۱۹۳۱ء
فراغت ودستار بندی	۱۳۵۱ھ	۱۹۳۲ء
تدریس کے لیے مبارک پور میں تشریف آوری	۱۳۵۲ھ	۱۹۳۴ء
دار العلوم اشرفیہ (باغ فردوس) کا سنگ بنیاد	۱۳۵۳ھ	۱۹۳۵ء
درس بخاری کا آغاز	۱۳۵۷ھ	۱۹۳۸ء
ناساز گار حالات کے باعث ناگ پور تدریس کے لیے روانگی	۱۳۶۱ھ	۱۹۴۲ء
دوبارہ مبارک پور میں تشریف آوری	۱۳۶۲ھ	۱۹۴۳ء
دار العلوم اشرفیہ کی عمارت کی تکمیل	۱۳۶۳ھ	۱۹۴۴ء
بعض شر پسند عناصر کی وجہ سے نظر بندی	۱۳۶۸ھ	۱۹۴۹ء
سنی دار الاشاعت مبارک پور کا قیام	۱۳۷۹ھ	۱۹۵۹ء
اشرفیہ نسواں اسکول کی ابتدا	۱۳۸۵ھ	۱۹۶۵ء
بلا فوٹو سفر حج بیت اللہ	۱۳۸۷ھ	۱۹۶۷ء
اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب	۱۳۹۱ھ	۱۹۷۱ء
کل ہند تعلیمی کانفرنس مبارک پور کا انعقاد	۱۳۹۲ھ	۱۹۷۲ء
درس گاہ عربی یونیورسٹی کا سنگ بنیاد	۱۳۹۲ھ	۱۹۷۲ء
درس گاہ عربی یونیورسٹی کا افتتاح	۱۳۹۳ھ	۱۹۷۳ء
سنگ بنیاد دار الاقامہ (ہوسٹل یونیورسٹی)		

استاذ جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ڈونگری، ممبئی

۱۳۹۳ھ	۱۹۷۳ء
آخری درس بخاری شریف	
۱۳۹۶ھ	۱۹۷۶ء
وصال پر ملال	
۱۳۹۶ھ	۱۹۷۶ء

عام طور پر ''فروغ رضویات'' سے امام احمد رضا کی حیات وشخصیت اور ان کے مختلف دینی، تجدیدی، اصلاحی، روحانی، علمی اور ادبی کارناموں سے تحریری وتحقیقی امور کی انجام دہی مراد لی جاتی ہے لیکن فروغ رضویات کے باب میں اور بھی کچھ امور ہیں جیسے۔

(۱) افکار رضا کی اشاعت کے لیے اشاعتی اداروں، تحریکوں اور تنظیموں کا قیام۔

(۲) وعظ وتقریر اور مناظرہ کے ذریعہ افکار فضا کی اشاعت۔

(۳) امام احمد رضا کے عقاید ونظریات اور تالیفات پر معترضین و مخالفین کے اعتراضات کا جواب اور ابطال۔

(۴) امام احمد رضا کے کتب و رسائل کی اشاعت نیز ان کا ترجمہ، تلخیص، تحشیہ، تخریج، توضیح، تقدیم اور ترتیب جدید کے ساتھ اشاعت۔

جہاں تک تعلق ہے امام احمد رضا کی حیات وشخصیت اور ان کے مختلف دینی، تجدیدی، اصلاحی، روحانی، علمی اور ادبی کارناموں پر تصنیفی وتحقیقی امور کی انجام دہی کا تو اس ضمن میں حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوئی تحریر تو نظر نہیں آتی لیکن دار العلوم اشرفیہ (مصباح العلوم) کے قیام سے لے کر الجامعۃ الاشرفیۃ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) کے قیام تک حضور حافظ ملت کی تصنیفی، تدریسی، تبلیغی خدمات نیز وعظ وتقریر، مناظرہ اور رشد وہدایت وغیرہ کارناموں سے لے کر آپ کے ہر عمل اور اٹھے ہوئے ہر قدم میں ''فروغ رضویات'' کا کارنامہ نظر آتا ہے۔

آپ کی حیات ظاہری تک اشرفیہ سے فروغ رضویات کا جو فریضہ انجام دیا گیا ہے، اس کے علاوہ آپ کے وصال پاک سے لے کر اب تک فرزندان اشرفیہ کے کارناموں کو دیکھا جائے تو ض ''فروغ رضویات'' میں جو کارہائے نمایاں ان صاحبان علم وفضل نے انجام دیے ہیں وہ مجموعی طور پر پوری دنیائے سنیت کے کارنامہ فروغِ رضویات سے بہت زیادہ ہے۔

تحریر کے ذریعہ فکر رضا کی اشاعت

صاحب مقامع الحدید لکھتا ہے کہ امام احمد رضا نے اسمٰعیل دہلوی کے کفریات شمار کرائے ہیں، اسے نبی کریم ﷺ کو اذیت دینے والا، گالیاں دینے والا بتایا اور اس کو کافر نہیں کہا بلکہ تمہید ایمان میں لکھا یا اور میں اسمٰعیل دہلوی کے کفر پر حکم نہیں کرتا۔''

اس کا جواب دیتے ہوئے حضور حافظ ملت اس بدمذہب کی جہالت بھی آشکار کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت پر یہ اعتراض دیوبندیوں کی جہالت ہے۔ کفر فقہی اور کفر کلامی میں فرق نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اس جہالت کا ایک شعبہ یہ ہے کہ الکوکبۃ الشہابیہ اور تمہید ایمان میں فرق نہیں جانتے۔ الکوکبۃ الشہابیہ کفر فقہی کے بیان میں ہے۔ اسمٰیل دہلوی پر فقہی کفریات عائد ہیں۔ تمہید ایمان کفر کلامی کے بیان میں ہے۔ کفر فقہی سے بھی کافر کہنا جائز ہے ضروری نہیں، متکلمین محتاطین کف لسان کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کمال احتیاط ہے کہ اسمٰعیل دہلوی کے سیکڑوں فقہی کفریات موجود ہوتے ہوئے کف لسان فرماتے ہیں۔ تمہید ایمان میں صرف کف لسان ہے، اسمٰعیل کو مسلمان کہاں لکھا ہے یہ دیوبندیوں کا افترا ہے۔ جب تفصیل آئے گی افترا پردازیوں کا پردہ چاک کر دیا جائے گا۔'' (العذاب الشدید ص ۱۱۷۔۱۱۸)

تقریر کے ذریعہ فکر رضا کی اشاعت:

حضور حافظ ملت اپنی تقریروں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا تذکرہ بھی فرماتے تھے ان کے اشعار کے حوالے دیتے ہوئے ان کی بہت ہی نفیس شرح بھی بیان کرتے تھے۔ وہ اپنی ایک تقریر تو خاص امام احمد رضا کے اس شعر پر کرتے:

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

''گو پاس کچھ رکھتے نہیں'' کی تشریح اس طرح کرتے کہ آقا ﷺ ایسے سخی ہیں کہ اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھتے، اپنے منگتوں کو سب کچھ عطا فرما دیتے اور ''ان کے خالی ہاتھ میں'' کو زور دیکر پڑھتے اور فرماتے کہ ہاں ساری نعمتیں خالی انہیں کے ہاتھ میں ہیں، ان کے ہاتھ خالی نہیں ہیں بلکہ سب کچھ صرف اور صرف انہیں کے ہاتھ (اختیار) میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کو ''قاسم نعمت'' بنایا ہے۔

فتاوی رضویہ کی اشاعت: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے وصال تک فتاوی رضویہ کی صرف پہلی جلد ہی شائع ہوئی تھی بعد میں جلد دوم حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اہتمام سے چھپی۔ حضور حافظ ملت علیہ

الرحمہ نے فتاوی رضویہ کی مزید جلدوں کی اشاعت کی طرف توجہ کی اوراس شعبہ کا آغاز فتاوی رضویہ جلد سوم کی ترتیب واشاعت سے ہوا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات وخدمات پر فرزندان اشرفیہ کی کتابیں:

(۱) سوانح اعلیٰ حضرت ۔مرتب: حضرت مولانا بدرالدین احمد رضوی علیہ الرحمہ، براؤں شریف ۔(۲) مجدد اسلام ۔حضرت مولانا نسیم بستوی، مکتبہ امجدی پچپڑوا، بلرام پور۔(۳) التحقیقات: حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، مکتبۃ الحبیب الہ آباد۔(۴) حاشیہ النور والضیاء: از انجمن اہل سنت اشرفی دارالمطالعہ، مبارک پور اعظم گڑھ ۔(۵) حاشیہ ابرالمقال: از انجمن اہل سنت اشرفی دارالمطالعہ، مبارک پور اعظم گڑھ۔ (۶) امام شعروادب: مولانا وارث جمال بستوی، مکتبہ غوثیہ بڑھیا، سدھارتھ نگر۔(۷) امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات: حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب۔ (۸) معارف کنزالایمان: حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب۔(۹) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جدالممتار کے آئینے میں: حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ۔(۱۰) ترتیب وتعارف جدالممتار (عربی): حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ ۔(۱۱) امام احمد رضا اور تصوف: حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ ۔(۱۲) امام احمد رضا کا ذوق عبادت مکتوبات کے آئینے میں: حضرت مفتی نظام الدین رضوی مصباحی صاحب قبلہ۔ (۱۳) عشق رضا کی سرفرازیاں: مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب۔ (۱۴) امام احمد رضا کا محدثانہ مقام: مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب ۔ (۱۵) امام احمد رضا اور تعلیمات تصوف: مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب۔(۱۶) امام احمد رضا اور مسلک جمہور: مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب۔ (۱۷) افکار رضا: مولانا قمر الحسن بستوی مصباحی صاحب۔(۱۸) الشیخ احمد رضا (عربی ترجمہ): مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی صاحب۔ (۱۹) تذکرہ رضا: مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری صاحب۔ (۲۰) تنویر رضا: مولانا عبیداللہ خاں اعظمی مصباحی۔(۲۱) امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار: ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی صاحب ۔ (۲۲) آئینہ امام احمد رضا: مولانا ڈاکٹر غلام جابر مصباحی صاحب ۔(۲۳) اصلاح معاشرہ اور امام احمد رضا: علامہ قمر الزماں خاں مصباحی صاحب۔(۲۴) مسئلہ تکفیر اور امام احمد رضا: نائب مفتی اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ۔ (۲۵) امام احمد رضا اپنے مکتوبات کے آئینے میں: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ۔(۲۶) فن تفسیر میں امام احمد رضا کا امتیاز: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ۔(۲۷) امام احمد رضا بحیثیت نشان سنیت: مولانا جیلانی میاں کچھوچھوی مصباحی ۔(۲۸) امام احمد رضا اور علوم عقلیہ: مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی ۔(۲۹) مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام کا تحلیلی جائزہ: مولانا اسلم بستوی مصباحی ۔(۳۰) امام احمد رضا اور علوم عقلیہ: مفتی محمد اشرف رضا مصباحی ۔(۳۱) فقہی عبارات پر امام احمد رضا کا کلام اور تحقیق وتنقیح: مفتی آل مصطفیٰ مصباحی ۔(۳۲) امام احمد رضا اور اردو تراجم کا تقابلی جائزہ: علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مصباحی ۔(۳۳) امام احمد رضا اور ترجمہ قرآن پاک تحقیق کے اجالے میں: علامہ عبدالقدوس مصباحی ۔(۳۴) تجلیات کنزالایمان: مولانا مبین الہدیٰ مصباحی جمشید پوری (۳۵) تعلیمات امام احمد رضا پر ضمیمہ رد منکرات: مولانا مبین الہدیٰ مصباحی جمشید پوری (۳۶) رانچی میں یوم رضا: مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری (۳۷) قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی: مولانا قاری رضاء المصطفیٰ مصباحی ۔(۳۸) مسلک امام احمد رضا: مولانا محمد حنیف خاں رضوی مصباحی ۔(۳۹) مہر درخشاں: علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب ۔(۴۰) انوار کنزالایمان: مولانا وارث جمال مصباحی ۔(۴۱) امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں: علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب ۔ (۴۲) ارشادات اعلیٰ حضرت: مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی صاحب (۴۳) تصانیف رضا: مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی صاحب ۔ (۴۴) معمولات رضویہ: مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی صاحب ۔(۴۵) الفضل الموہبی از امام احمد رضا کا عربی ترجمہ: علامہ افتخار احمد قادری مصباحی صاحب۔ (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، مارچ ۲۰۰۳ء بحوالہ حیات حافظ ملت)

اعلیٰ حضرت پر اعتراضات کے جوابات:

فرزندان اشرفیہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر ہونے والے اعتراضات والزامات کا ہمیشہ تقریری اور تحریری طور پر ایسا دندان شکن جواب دیا ہے کہ مخالفین لاجواب ہو گیے، انھیں مذہب اہل سنت وجماعت کے عقائد و مسائل اور امام احمد رضا کے افکار ونظریات پر دوبارہ اعتراضات کی ہمت نہیں ہوئی ۔اس تعلق سے مصباحی برادران کی چند کتابیں یہ ہیں:

(۱)الدیوبندیت(افادات حافظ ملت) ترتیب مولانا محبوب اشرفی مصباحی ۔(۲)تنقید برمحل ۔(۳)اذان خطبہ کہاں ہو؟ :مولانا عبدالحق رضوی مصباحی ۔(۴)تحقیقات اول ،دوم ازمفتی محمد شریف الحق امجدی مصباحی ۔(۵)الوسیلۃ السنیہ ازمولانا محمد شفیع اعظمی مصباحی ۔(۶)عصمت انبیا:مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی (کچھ لوگوں نے عصمت انبیا پر کلام کیا تھا توان کو دندان شکن جواب دینے کے لیے مفتی صاحب قبلہ نے یہ کتاب لکھی)۔(۷)شمالی امریکہ کی سمت قبلہ تحقیق کے آئینے میں ۔(۸) کنزالایمان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ ازمفتی آل مصطفیٰ مصباحی ۔اس طرح سیکڑوں کتابیں فرزندان اشرفیہ نے تحریرفرمائی اور مصباحی برادران کے لاکھوں فتاوے،ہزاروں مقالات ومضامین کے نام بھی دیوبندیوں کےرد اوران کے اعتراضات کے جوابات اورمسلک اعلیٰ حضرت کی حمایت میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔

علماومشائخ کااحترام:

ادب واحترام بلند اخلاق کانمونہ ہےاس خزانہ سے بھی حافظ ملت علیہ الرحمہ کووافر حصہ ملاتھا۔اپنے اساتذہ،مشائخ اورمحسن علما ے کرام کا ادب واحترام توسبھی کرتے ہیں کیوں کہ اساتذہ،والدین اور بزرگوں کانیازمند اور ادب شناس ہی ان کی دلی دعاؤں سے نوازاجاتاہے۔انسان کی اپنی محنت،کاوش اورجانفشانی اسےعلم وفضل کا وہ بلند مقام نہیں دیتی جومحنت وصلاحیت کے ساتھ ان مربیوں کی قلبی دعائیں اسے بخشتی ہیں ۔حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنے والدین کریمین کابہت ادب واحترام کیا کرتے تھے۔آپ نے جن والدین کی آغوش میں پرورش پائی تھی وہاں تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور دیاجاتاتھا۔پھرجب حضور حافظ ملت نے تعلیمی سفرشروع فرمایاتواپنے ہراستاذ کااس طرح سے ادب واحترام کیا کہ ان کادل جیت لیا۔نیز اپنی خدمت گزاری اور نیازمندی کے سبب ان کی کامل توجہ،ہمدردی اورعلمی فیضان کے مستحق ہوئے ۔چنانچہ حکیم محمد شریف صاحب مرادآبادی جن کامطب شہر میں تھااوروہ مرادآباد سے بھوج پور(حافظ ملت کے وطن) آیا کرتے تھے۔بھوج پور کے بہت سے لوگ حکیم صاحب سے علاج کراتے تھے،حکیم صاحب جب آتے تو حافظ ملت کی اقتدامیں نماز پڑھتے ۔حافظ ملت امام مسجد ہونے کے باوجود حکیم صاحب کااس طرح سے ادب واحترام کرتے کہ ان کے دل میں ازخود یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اپناعلم طب اس باصلاحیت ادب شناس نوجوان میں منتقل کردوں۔

حضور حافظ ملت خود باادب تھےاور یہی جوہرانھوں نے اپنے فرزندوں اورتلامذہ میں منتقل فرمایا۔آپ کواپنے استاذ ومرشد حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ سے دلی محبت تھی جب بھی نام نامی لیتے نہایت ادب واحترام سے ’’حضرت صدرالشریعہ بدرالطریقہ‘‘فرماتے‘‘۔

●●

مولانا سلمان رضاعلیمی اورمولانامشہوراحمدعلیمی کومبارک باد

حافظ محمد سلمان رضاعلیمی کوان کے تحقیقی مقالہ’’ڈاکٹر رشید عبدالرحمن عبیدی کی ادبی،لسانی اورتحقیقی خدمات‘‘کےمکمل ہونے پر ملک کی عظیم یونیورسٹی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔آپ جمداشاہی کےمشہور عالم دین مولانا محمد ایوب قادری کے لائق فخرفرزندہیں ۔آپ نے علیمیہ کی سند پرعلی گڑھ یونیورسٹی میں بی۔اے۔عربک میں داخلہ لیااوریہیں سے ایم۔اے بی۔ایڈکرنے کے بعد پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔

اسی طرح مولانامشہوراحمدعلیمی کوبھی’’منیر نیازی کی شاعری کاتنقیدی جائزہ‘‘ پرڈاکٹریٹ کی ڈگری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے دی گئی ہے ۔مولاناموصوف نے ۲۰۰۶ میں علیمیہ جمداشاہی سے عالمیت کی تعلیم مکمل کی اوریہیں کی سند سےعلی گڑھ میں بی اے میں داخلہ لیااور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گولڈمیڈل حاصل کیا۔اپنی محنت،ذہانت اورلگن کی بدولت پہلی کوشش میں جے آرایف کوالیفائی کرکے پی ۔ایچ۔ڈی میں داخلہ لیااوراس میں انھیں ڈگری حاصل ہوئی۔مولاناموصوف کاآبائی گاؤں مڑلی نوتنواں بازار،مہراج گنج،یوپی ہے۔مذکورہ دونوں علیمی برادران کی اس اہم کامیابی پر ان کے اساتذہ واحباب واقارب میں جشن کاماحول ہے۔تمام اساتذۂ علیمیہ بالخصوص حضرت مولانافروغ احمداعظمی مصباحی ،مفتی محمد نظام الدین علیمی مصباحی،مولاناامیدعلی صدیقی ، مولانامحب احمدعلیمی،مولاناحافظ منصورعلیمی وغیرہ نے مبارک باد پیش کی ہےاوردیگرتمام اساتذہ واحباب ان کے روشن مستقبل کے لیے دعاگوہیں۔ ادارہ سنی دعوت اسلامی بھی ان دونوں حضرات کوہدیہ تبریک پیش کرتاہےاوران کے روشن مستقبل کاخواہش مندہے۔

(ادارہ)

میانہ روی زندگی کا حُسن ہے

از: مولانا غلام اختر

تین لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں جاننے کے لیے آپ کے گھر آئے۔ جب انھیں آپ کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تو انھوں نے اپنی عبادتوں کو بہت کم سمجھا اور بولے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہماری کیا حیثیت؟ جب ان کے سبب سے ہمارے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں (آج کے بعد) راتوں کو ہمیشہ نماز پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا (یعنی کبھی چھوڑوں گا نہیں)، تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: کیا تم ہی لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے، بخدا میں تم میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں، افطار کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، سوتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، تو جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح)

اس حدیث سے آپ کیا سمجھے؟ اس حدیث نبوی سے جہاں یہ سمجھ میں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ وہ محبوب خدا ہیں۔ وہ بظاہر تو ہماری طرح ہیں مگر درحقیقت وہ ہماری طرح نہیں ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعتدال اور وسط میں رہنے کا حکم دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اعتدال اور وسط انسانی ضرورت ہے۔ انسان اگر کسی چیز کی انتہا پر پہنچ جائے تو وہ غیر فطری زندگی جینے لگتا ہے۔ اعتدال اور وسط انسان کو فطری زندگی جینا سکھاتا ہے۔ ایک بات یاد رکھیے کہ انسانوں کے معاملات، کاروبار اور ایک دوسرے سے تعلقات کو فساد و بگاڑ سے پاک رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ بے شمار راستوں میں سے کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے، ایسا طریقہ اپنایا جائے جو کامیابی کے ساتھ منزل تک پہنچاتا ہو اور شر و فساد سے بھی دور ہو۔ اسی راستے کو وسطیت و اعتدال کا راستہ کہا جاتا ہے۔

اسلام نے اپنے متبعین کو زندگی کے ہر موڑ پر چاہے وہ دنیوی ہو یا اُخروی، اعتدال اور میانہ روی کا درس دیا ہے۔ اسلام نے اسے اُمت محمدیہ کی ایک خاص خوبی قرار دیا ہے۔ ایک بندۂ مومن ہر نماز میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کہتا ہے تو اسی سیدھے راستے کی دعا مانگتا ہے جو اعتدال کا راستہ ہے۔ اسی کے بارے میں کہا جاتا ہے: خَيْرُ الْأُمُوْرِ اَلْوَسْطُ سب سے بہتر معاملہ بیچ والا ہوتا ہے۔

رب تعالیٰ نے اس امت کی تعریف یوں کی:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا (سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں سب اُمتوں میں افضل (درمیانی) کیا۔

آیئے ہم اپنے معمولات زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں کہ ان میں اسلام نے کس اعتدال اور وسطیت کا حکم دیا ہے؟ وہ ہماری عقل و شعور اور دور جدید کی تحقیقات سے کس قدر ہم آہنگ ہیں؟ اور انھیں اپنا کر ہم دونوں جہان کی بھلائیوں سے کس حد تک بہرہ ور ہو سکتے ہیں؟

☆ اسلام نے عبادات میں اعتدال کا حکم دیا ہے تاکہ بندہ افراط و تفریط سے دور ہو کر عبادت کرنے کے ساتھ دوسرے اُمور کو بھی آسانی سے انجام دے سکے۔ ارشاد باری ہے: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

ترجمہ: اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو۔

جب نماز جیسی اہم العبادات کے بارے میں رب تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ بیچ کا راستہ اختیار کرو تو دوسری عبادات و معاملات کا کیا پوچھنا۔

☆ زندگی کی اس لمبی دوڑ میں ضروری ہے کہ دوسروں کے ساتھ معاملات خوش گوار ہوں ورنہ دن بد جھگڑا اور فساد ہوگا جس کا نتیجہ ہلاکت ہوگی۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ

يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ (سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ: اللہ تمھیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو، بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔

یہ آیت کریمہ ان غیر مسلموں کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کر لی تھی کہ نہ ہم آپ سے قتال کریں گے اور نہ آپ کے مخالف کی مدد کریں گے۔

اسلام ہی وہ وسیع دل والا مذہب ہے جو امن پسند غیروں کے ساتھ بھی ویسے ہی بھلائی اور انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: هَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ (سختی والے ہلاک ہو گئے)۔ تین مرتبہ فرمایا۔ (مسلم، کتاب العلم)

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو دین میں تشدد کرتے ہیں اور اپنے اقوال و افعال میں حد سے تجاوز کرتے ہیں، ان کے لیے ہلاکت ہے لہٰذا ہر ایمان والے پر ضروری ہے کہ اسلامی حدود میں رہ کر اپنے سارے اُمور انجام دیں ورنہ اگر وہ بے جا تشدد و غلو کرتے رہیں تو ان کے لیے ہلاکت و عذاب ہوگا کیوں کہ ایسا کرنا مشیت ربانی کی خلاف ورزی ہے۔ حالاں کہ وہ تو ہمارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا:

يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

☆ مال خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی یہ ہے کہ بندہ فضول خرچی سے باز رہے اور بخل سے بھی۔ اگر اس پر عمل ہو جائے تو مال کا حق ادا ہوگا اور حاجت مندوں کی حاجت بھی پوری ہوگی۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

ترجمہ: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا، تھکا ہوا۔

ظاہر ہے کہ بندہ یا تو کچھ بھی خرچ نہ کرے، پرلے درجے کا بخیل بنا رہے یا سب کچھ لٹا دے، دونوں صورتوں میں خرابی ہے۔ پہلی صورت میں حاجت مندوں کی حاجت پوری نہیں ہوگی اور دوسری صورت میں اپنے لیے بربادی ہے کہ سب کچھ لٹا کر خود ہی محتاج بن بیٹھے لہٰذا اسلام نے جس بات کا حکم دیا ہے اس میں اعتدال بھی ہے برکت بھی ہے اور حاجت مندوں کی حاجت برآری بھی ہے۔

ایک جگہ حاجت مندوں کے لیے خرچ کرنے اور اسراف سے بچنے پر ابھارتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

ترجمہ: اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو، اور فضول نہ اڑا، بے شک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

حاجت مند رشتہ داروں کے لیے خرچ کرنے اور اسراف سے بچنے کی عظمت ظاہر کرتے ہوئے اسلام اسے ان کا حق بتاتا ہے۔ اگر اس پر مسلمان عمل کریں تو رشتے دار بھی خوش رہیں گے، دوسرے حاجت مند بھی خوش حال رہیں گے اور فضول خرچی سے بچے گا تو شیطان کا بھائی بننے سے بچ جائے گا۔

☆ انسان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اس طرح چلے جس میں نہ اکڑن ہو اور نہ ہی اتراہٹ کیوں کہ ایک سنجیدہ اور باوقار انسان کی شان ہے کہ وہ انتہائی متانت اور وقار کے ساتھ چلے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پھل دار درخت جھکا ہوتا ہے۔ اسلام نے اسی کا درس دیا ہے:

وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ۔ (سورۂ لقمان)

ترجمہ: اور زمین میں اِتراتا نہ چل بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اِتراتا فخر کرتا، اور میانہ چال چل۔ نیز حضور ﷺ کا فرمان ہے:

ایک شخص اپنی دو چادروں میں اتراتے ہوئے چلتا ہے اور ایسا کرنا اسے اچھا لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے زمین میں دھنسا دیتا ہے۔ پھر وہ قیامت تک اس میں دھنستا رہے گا۔

(صحیح مسلم: کتاب اللباس، والزینۃ)

تکبر و خود پسندی کے ساتھ اترا کر چلنے والے کو اسلام کس قدر سخت وعید سناتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے جہاں اسلام نے مکمل میانہ روی کا درس دیا ہے وہیں معمولی خود پسندی کو بھی بڑا جرم قرار دیا

ہےاوراس کے بدلے بدترین عذاب کی وعید سنائی ہے۔

☆ قانون اسلام کے مطابق ہر بندۂ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ آخرت کی تیاری کے ساتھ دنیا سے بھی ضرورت بھر حصہ لے، اپنی زندگی خوش گوار بنائے اور ہر کام میں تشدد اور فساد سے مکمل احتراز کرے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ ابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَ لَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ۔ (سورۃ القصص)

ترجمہ: اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا، زمین میں فساد نہ چاہ۔ بے شک اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا۔

مسلمان اکثر اپنی دعا میں آیت کریمہ کا یہ حصہ پڑھا کرتا ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورۃ البقرۃ)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا۔

پتہ چلا کہ رب کا حکم ہے کہ آخرت کی کھیتی کے ساتھ دنیا سے بھی اپنا حصہ طلب کر، لوگوں کے ساتھ بھلائی کر، دہشت گردی کے خاتمے کی کوشش کر اور بندہ بھی اپنے رب سے دونوں جہان میں بھلائی کی دعا مانگ رہا ہے۔ کیا ہی حسین فرمان ہے۔ اگر بندہ اس پر مکمل طور سے کاربند ہو جائے اور اس کی دعا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو جائے تو پھر جو ربانی برکات کا فیضان ہوگا وہ یقیناً عظیم ہوگا۔

☆ اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ درس دیتا ہے کہ وہ کھانے پینے میں بھی میانہ روی اختیار کریں۔ اسی قدر کھائیں جتنی ان کو ضرورت ہو تا کہ وہ اپنے رب کا صحیح طور پر شکر ادا کر سکیں اور زیادہ کھا لینے کے سبب غفلت میں نہ پڑ جائیں اور نہ ہی بیمار ہوں۔ رب کا فرمان ہے:

وَ کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (سورۃ الاعراف)

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اسے (اللہ کو) پسند نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان نے پیٹ سے برا کوئی برتن نہیں بھرا، ابن آدم کے مطابق چند لقمے ہیں جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھ سکیں، ہاں اگر (تھوڑا زیادہ کھانا) ناگزیر ہو تو تہائی حصہ کھانے کے لیے، تہائی پانی کے لیے اور تہائی سانس لینے کے لیے (چھوڑے)۔ (سنن الترمذی: ابواب الزھد)

کس قدر پر حکمت اور واضح فرمان ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کی مقدار بیان فرما رہے ہیں تو اس کھانے کے لیے پیٹ کی ایسی تقسیم فرما رہے ہیں جس سے ہمارے معدے سے متعلق تمام مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان اس فرمان پر ہمیشہ عمل کرتا رہے تو وہ پیٹ کی بیماریوں اور سانس کی تکلیف سے بچا رہے گا اور سب سے بڑھ کر وہ فرمان خدا اور اسلام کے دستور اعتدال پر عمل پیرا رہے گا جس کا بدلہ نہایت عظیم ہے۔

☆ عقل مند اور باشعور انسان لباس ناموری اور غرور و تکبر کے لیے نہیں پہنا کرتا بلکہ اس لیے پہنتا ہے تا کہ وہ ستر پوشی کرے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عظیم نعمت سے اپنے جسم کو لیل و نہار کی مُہلکات سے محفوظ رکھے اور لوگوں کے سامنے ایک حیادار کی صورت میں ظاہر ہو۔

اسلام نے ایسی ہی فکر کا درس دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کا فرمان ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَ رِیْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ (سورۃ الاعراف)

ترجمہ: اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمھاری طرف ایک لباس وہ اتارا کہ تمھاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمھاری آرائش ہو اور پرہیز گاری کا لباس وہ سب سے بھلا۔

اسلام کا حکم ہے کہ بندہ مومن لباس میں میانہ روی اپنائے، اس میں فضول خرچی نہ کرے، دکھاوے اور غرور کے لیے مہنگے کپڑے نہ خریدے بلکہ خود راہ اعتدال پر رہے اور غریبوں کا بھی خیال رکھے۔

☆ ہر مسلمان کے لیے اسلام کا حکم یہ ہے کہ وہ وقت کا صحیح استعمال کرے، ایسا نہ ہو ایک دن خوب محنت کر کے اپنے آپ کو تھکا لے جس سے بیمار ہو جانے کا خوف ہو اور دوسرے دن سستی اور غفلت میں گزار دے۔ اس کا درس نماز سے بھی ملتا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا

ترجمہ: بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے ان کے مقررہ وقتوں میں۔

نماز میں ڈسپلن اور نظام عمل کا بہت ہی عمدہ درس موجود ہے۔ جب ایک بندہ مومن دن بھر میں پانچ مرتبہ مقررہ وقتوں میں نماز کے لیے حاضر ہوتا ہے، جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اور پھر کاروبار

حیات میں مصروف ہوتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کی سب سے اہم عبادت نماز میں ہمارے روز مرہ مصروفیات کے درمیان وقفے اور آرام کا بہترین نظام ہے جو صرف آرام ہی نہیں بلکہ روحانی غذا ہے۔ اس سے ہمیں جہاں میانہ روی کا درس ملتا ہے وہیں ہماری وحدت و جمعیت مضبوط ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کے ساتھ وقت کی اہمیت کو اجاگر کیا، فرمایا: دو ایسی نعمتیں ہیں جن کے تعلق سے انسان (غفلت کے سبب) گھاٹے میں ہے؛ صحت اور فرصت۔ (البخاری کتاب الرقاق)

کیا ہی عالی شان فرمان ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہیں جو وقت اور صحت کے ساتھ انصاف کر پاتے ہیں۔ اگر انسان ان دو چیزوں کی قدر سمجھ لے اور ان کا صحیح استعمال شروع کر دے تو انسانی دنیا میں عظیم انقلاب آسکتا ہے۔ پھر یہ انسان دوسروں کا محتاج نہیں رہے گا بلکہ وہ حاجت روا بن جائے گا۔ اسلام نے اسی سے آگاہ کیا ہے۔

☆ کثرت کلام کے سبب انسان سے کافی خطائیں سرزد ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ بغیر غور و فکر کے بات نہ کریں اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ بات کریں تاکہ غلطیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: ایک چپ سو سکھ۔ قرآن مجید میں بھی اس کا درس موجود ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا سیدھی بات کہنے کے متعلق ارشاد ہے:

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (سورۃ النساء)

ترجمہ: اور ڈریں وہ لوگ کہ اگر اپنے بعد ناتواں اولاد چھوڑتے تو ان کا کیسا انھیں خطرہ ہوتا، تو چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کریں۔

مریض کے پاس اس کی موت کے قریب موجود ہونے والوں کی سیدھی بات تو یہ ہے کہ اسے صدقہ و وصیت میں یہ رائے دیں کہ وہ (صدقہ و وصیت) اتنے مال سے کرے جس سے اس کی اولاد تنگ دست، نادار نہ رہ جائے اور وصی و ولی کی سیدھی بات یہ ہے کہ وہ مرنے والے کی ذرّیّت سے حُسنِ خُلق کے ساتھ کلام کریں جیسا اپنی اولاد کے ساتھ کرتے ہیں۔ (خزائن العرفان)

گویا اسلام نے ایمان والے کے لیے ضروری قرار دے دیا ہے کہ اچھی ہی بات کرے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔ اگر ہم اللہ و رسول کے اس فرمان پر عمل کریں تو زبان کی خطاؤں سے محفوظ رہیں گے اور بات بات پر توبہ و رجوع کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

☆ دعوت و تبلیغ کی راہ نہایت کٹھن اور صبر آزما ہے۔ اس لیے رب کا ہمیں اس بارے میں بھی میانہ روی اختیار کرنے کا حکم ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (سورۃ النحل)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

پکی تدبیر، اچھی نصیحت اور جدال حسن کا وجود اسی دعوت میں ہوگا جس میں میانہ روی کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

یہ اسلام میں میانہ روی کے چند نمونے ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو کہیں بھی بے سہارا نہیں چھوڑا ہے بلکہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق بہترین دستور عطا کیے ہیں اور زندگی کے ہر موڑ پر اعتدال کا درس دیا ہے۔ اگر زندگی کے تمام شعبوں میں میانہ روی اپنالی جائے تو ہمارا عمل قرآن و سنت کے مطابق ہوگا، ہم دنیا کے جھگڑوں سے بچ سکیں گے، آخرت کے لیے بہترین توشہ اکٹھا کر سکیں گے اور معاشرتی اقدار کو محفوظ رکھ سکیں گے لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم ہر جگہ، ہر وقت اور ہر کام میں وسطیت واعتدال برقرار رکھیں اور تمام لوگوں کے ساتھ، تمام معاملات میں میانہ روی کا برتاؤ کریں۔

●●

ادارے کو موصول ہونے والی کتب

(۱) احادیث توسل و زیارت۔ ترجمہ۔ صفحات: ۴۴۶

(۲) دلیل القارئین شرح ریاض الصالحین، ترجمہ، صفحات: ۴۱۶

(۳) تحقیقات ازہری، مجموعہ مقالات، صفحات: ۲۰۸

(۴) اصول تخریج حدیث، تالیف۔ صفحات: ۷۲

(۵) ماں، چالیس احادیث کے آئینے میں۔ تصنیف، صفحات: ۵۶

(۶) تارک نماز و جماعت، تصنیف۔ صفحات: ۶۴

مصنف و مترجم: شہزادہ فقیہ ملت مولانا ازہار احمد امجدی ازہری

رابطہ کا پتہ:

مکتبہ فقیہ ملت، گلی سروتے والی مکان ۲۴۴۲، گراؤنڈ فلور، اردو مارکیٹ، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی۔ 993691820#9415162692

عظیم مائیں

حضرت عثمان غنی کی زوجہ محترمہ

پیش کش: مدیحہ مظہر

حضرت سعید بن عاص اُموی امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفے کے گورنر تھے انہوں نے قبیلۂ بنوکلب کی ایک خاتون ہند بنت فرافصہ کے ساتھ شادی کر لی۔ یہ خبر امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ حضرت عثمان یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ حضرت سعید بن عاص بڑے دور اندیش، دانشور اور صاحبِ رائے ہیں عمدہ چیزوں کے انتخاب میں انہیں بڑی مہارت حاصل ہے انہوں نے جس خاندان میں شادی کی ہے یقیناً یہ اچھا انتخاب ہوگا لہٰذا انہوں نے اپنے گورنر کی طرف یہ خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''یادش بخیر! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے قبیلۂ بنوکلب کی کسی خاتون کے ساتھ شادی کی ہے مجھے اس خاندان کے بارے میں تفصیلات سے ضرور آگاہ کریں۔''

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے مختصر الفاظ میں خط کا جواب دیا کہ ''میں نے فرافصہ بن احواص کی دختر سے شادی کی ہے جو واقعی حسن و جمال کی پیکر ہے، دراز قد بھی اور سفید رنگ بھی۔ والسلام''

یہ خط پہنچا تو حضرت عثمان سمجھ گئے کہ اس قبیلے کے لوگ واقعی بہت سی خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ آپ نے خط لکھا کہ دیکھیے ان سے بات کریں کہ اگر گھر والوں کو پسند ہو تو اپنی دوسری بیٹی کی شادی مجھ سے کر دیں۔

حضرت سعید بن عاص نے اپنے سسر فرافصہ سے اس موضوع پر بات کی اور امیر المؤمنین کا پیغام اس تک پہنچایا۔ اس نے پیش کش کو بخوشی قبول کرتے ہوئے اپنے بیٹے ضب سے کہا: ''آپ اپنی ہمشیرہ نائلہ کی شادی امیر المؤمنین سے کریں کیوں کہ تم ان کے دین کو اپنا چکے ہو۔ صورت حال یہ تھی کہ نائلہ کا والد ابھی تک نصرانی تھا اس کا بیٹا ضب مسلمان ہو چکا تھا، بیٹے نے بخوشی اپنی ہمشیرہ کا ولی بنتے ہوئے اس کا نکاح حضرت عثمان سے کیا اور انہیں مدینہ منورہ پہنچانے کے لیے خود ان کے ساتھ روانہ ہوا تا کہ انہیں امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان تک پہنچا آئے۔

لڑکی کے والدین اسے خاوند کے گھر رخصت کرتے وقت حکمت و دانش بھری نصیحتیں ضرور کیا کرتے تھے۔ فرافصہ نے بھی اپنی بیٹی کی رخصتی کے وقت جو نصیحتیں کیں تاریخی کتابوں میں وہ سنہری حروف کی مانند چمکتی ہیں۔ اس نے کہا: میری پیاری بیٹی! تم قریشی خواتین کے یہاں جا رہی ہو وہ خوشبو کا بہت استعمال کرتی ہیں دو باتوں کا خیال رکھنا سرمہ اور پانی کے استعمال کو نہ بھولنا آنکھوں میں سرمہ لگائے رکھنا اور غسل کا باقاعدگی سے اہتمام کرنا۔ دیکھنا پانی سے بڑھ کر جسم کو صاف ستھرا بنانے والی اور کوئی چیز نہیں''۔

نائلہ نے اپنے والد کی نصیحت کو پلے باندھ لیا اور وہ اپنی جسمانی نظافت کا بہت زیادہ خیال کیا کرتی تھیں۔ وہ بڑی ہی عقل مند اور ہونہار بچی تھیں۔ جب وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں تو ان کے حسن و جمال، ادب و احترام اور فصاحت و بلاغت نے انہیں اپنا گرویدہ بنا لیا اور حضرت عثمان نے ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ یہ انہیں اپنی تمام بیگمات میں سے زیادہ پسند تھیں۔ ان کے یہاں ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام مریم بنت عثمان رکھا گیا۔ حضرت عثمان بن عفان نے اپنی بیوی نائلہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا: میں نے نائلہ کو اپنی تمام بیگمات میں زیادہ عقل مند، سلیقہ شعار اور وفادار پایا۔ اس نے تو میرے اعصاب کو بھی اپنی گرفت میں لے رکھا ہے اور میری عقل و دانش پر وہ حاوی دکھائی دیتی ہے۔

اس طرح حضرت نائلہ کو حضرت عثمان بن عفان کے یہاں بڑا ہی بلند مرتبہ و مقام حاصل تھا۔ انہیں اپنی اس بیگم کی خوبیاں بہت زیادہ پسند تھیں جو دوسری بیگمات میں اتنی وافر مقدار میں دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ یہ بات لوگوں کو بھی معلوم ہو گئی تھی کہ نائلہ حضرت عثمان کو اپنی دیگر بیگمات سے زیادہ پسند ہیں۔ علامہ محمد بن سعد نے اپنی کتاب الطبقات اور علامہ بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشرف میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بسا اوقات قیمتی لباس زیب تن کرتے جو ایک سو یا دو سو درہم کی مالیت کا ہوتا اور فرماتے میں

نے یہ لباس نائلہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پہنا ہے۔صحابہ کرام اپنی بیگمات کو اچھا عمدہ لباس مہیا کرنے میں بالعموم وُسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے۔

۲۸ھ میں حضرت نائلہ حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں اور اسی وقت سے ان کی شہرت کو چار چاند لگے اور خواتین میں ان کی شہرت کا چرچا عام ہوا۔ دراصل حضرت نائلہ کی تاریخ کا آغاز شادی سے ہوا۔ وفا شعاری، ہمدردی، غمگساری اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے حضرت نائلہ تاریخ کے سنہری صفحات میں بڑے اعلیٰ وارفع اور اہم مقام ومرتبہ پر فائز دکھائی دیتی ہیں۔ یہ بڑی جلیل القدر اور عظیم المرتبت تابعی خاتون تھیں۔

جب سے حضرت نائلہ مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوئیں ان کا اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنا جانا شروع ہوا اور ان سے حدیث روایت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اپنے عظیم المرتبت شوہر سے بھی احادیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ نائلہ سے نعمان بن بشیر انصاری اور ام ہلال بنت وکیع نے حدیث بیان کرنے کی سعادت حاصل کی۔حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیں نماز پڑھاتیں، آپ بحیثیت امام ہماری صف کے درمیان کھڑی ہوتیں۔حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک دیانت دار، وفاشعار، خیرخواہ بیوی کی حیثیت میں زندگی بسر کی۔حضرت عثمان کے ساتھ اخلاص سے پیش آنا اور ہر بات میں ان کی ہاں میں ہاں ملانا ان کا دلی شوق تھا جس کی وجہ سے حضرت عثمان نے بھی انہیں اپنے دل میں بڑی اہم حیثیت دے رکھی تھی ہمیشہ ان کی یاد دل میں سمائی رہتی۔ یہ ان خواتین میں سے تھیں کہ زمانہ جن کی باتوں اور مقام ومرتبہ سے آشنا ہوا اور جن کی تعریف سے لوگ رطب اللسان ہوئے۔

۳۵ھ کو فتنے کے دن حضرت نائلہ نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جو ان کے ایثار وقربانی، وفاداری اور بہادری پر دلالت کرتا ہے۔ جب مدینہ منورہ میں ہنگامہ آرائی کرنے والے دیوار پھلانگ کر حضرت عثمان کے گھر آ گئے، تلواریں لے کر ان کی طرف آگے بڑھے تو حضرت نائلہ اپنے عظیم شوہر کی بچانے کے لیے ان کے ساتھ لپٹ گئیں۔ایک کمبخت نے تلوار کا وار کیا جس سے حضرت عثمان کا ہاتھ زخمی ہو گیا اسے دیکھ کر فرمانے لگیں: یہ وہ پہلا ہاتھ ہے جس نے قرآن حکیم لکھنے کی سعادت حاصل کی''۔ ہاتھ سے نکلنے والے خون کا پہلا قطرہ اس آیت کریمہ پر گرا۔فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرہ ۱۳۷)

حملہ آوروں میں سے ایک دوسرا شخص برہنہ شمشیر لیے ہوئے آگے بڑھا۔حضرت نائلہ اسے روکنے کے لیے سامنے آئیں اور اس کی تیز تلوار کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اس ناہنجار نے تلوار کو جھٹکا دیا جس سے حضرت نائلہ کی انگلیاں کٹ گئیں اور وہ ہاتھ سے جدا ہو گئیں۔پھر اس کمبخت نے حضرت عثمان پر تلوار کا ایک زوردار وار کیا جس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش کر گئے۔ ہائے رے! یہ مظلومانہ شہادت۔ یہ اندوہناک واقعہ جمعہ کے دن صبح کے وقت رونما ہوا دن بھر آپ کے جسد اطہر کو دہشت گردوں کے شوروغوغا کی بنا پر دفن نہ کیا جاسکا۔حضرت نائلہ نے اپنے عظیم المرتبت خاوند کی مظلومانہ شہادت پر جی بھر کے آنسو بہائے انہوں نے دفن اور نماز جنازہ میں شرکت کے لیے اصرار کیا۔ تاریخ میں یہ مرقوم ہے کہ جس رات حضرت عثمان کو دفن کیا گیا یہ چراغ لے کر باہر نکلیں اور غم کے مارے ہائے عثمان! ہائے امیر المؤمنین کے الفاظ نکل رہے تھے۔حضرت جبیر بن مطعم نے ان سے کہا: چراغ بجھادیں آپ دیکھ نہیں رہیں کہ دروازے پر فتنہ پردازوں نے شور مچا رکھا ہے تو انہوں نے چراغ گل کر دیا۔ پھر حضرت عثمان کی میت کو بقیع الغرقد میں لایا گیا حضرت جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی ان کے پیچھے حکیم بن حزام، ابوجہم بن حذیفہ، نیار بن مکرم اور دیگر چند صحابہ جنازے میں شریک ہوئے۔ حضرت عثمان کی دو بیویاں حضرت نائلہ اور حضرت ام البنین بنت عیینہ بن حصن بھی اضطراری حالت میں شریک ہوئیں۔انہوں نے قبر میں اترنے والوں کو لحد بنانے اور اس میں اتارنے کی رہنمائی کی۔ دفن کرنے کے بعد قبر کو بے نشان کر دیا اور وہاں سے چلے گئے۔

حضرت نائلہ کی خوشگوار زندگی کی تاریخ میں ان کی وفاشعاری کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بھی یہ اپنی وفاداری کو بروئے کار لاتی رہیں اور ان کی وفاشعاری کی بہت عمدہ مثالیں منظرعام پر آتی رہیں۔اسلام نے بیوہ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن عدت گزارے اس دوران وہ زیب وزینت سے پرہیز کرے اپنے خاوند کے گھر کو چھوڑ کر کہیں نہ جائے نہ اپنے والدین کے گھر اور نہ ہی کسی دوسرے رشتہ دار کے گھر۔

حضرت نائلہ نے اپنے عظیم شوہر حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بھی وفاداری کی قابلِ رشک مثال قائم کی۔ اپنے والدین، بھائی

اور جملہ رشتہ داروں سے زیادہ ان کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا ان کی یہ خوبیاں ہر علاقے اور ہر جگہ لوگوں میں قابل رشک انداز میں بیان کی جاتی تھیں۔ جس رات حضرت عثمان کو شہید کیا گیا اس وقت بھی حضرت نائلہ نے آہیں بھرتے ہوئے یوں کہا تھا۔ ''کم بختو! ظالمو! تم نے آج ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو رات بھر قرآن حکیم کی تلاوت میں مصروف رہا کرتا تھا۔''

تاریخ میں بہت سی خواتین ایسی بھی گزری ہیں کہ جنہوں نے اپنے خاوند کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ شادی کرنے سے گریز کیا اور اپنی زندگی یوں ہی اپنے پہلے خاوند کی یاد میں گزار دی۔ حضرت نائلہ بنت فرافصہ بھی انہی خواتین میں سے تھیں بلکہ ان کا نام وفاشعاری کے حوالے سے سرفہرست لیا جاتا ہے۔

مستند تاریخ کی کتابوں میں حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی ایک کرامت کا تذکرہ ملتا ہے یہ کرامت ان کی صداقت اور حضرت عثمان کی برکت پر دلالت کرتی ہے۔ ابن عساکر اپنے ایک شیخ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں جس کا تعلق قبیلہ بنوراسب کے ساتھ تھا کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا وہاں ایک اندھا شخص طواف کرتے ہوئے یہ دعا کر رہا تھا ''الٰہی! مجھے بخش دے لیکن میرا خیال ہے کہ تو مجھے بخشے گا نہیں۔ میں نے کہا: ارے تو اللہ سے ڈرتا نہیں؟ اس نے کہا: میری کہانی بڑی عجیب وغریب ہے میں اور میرے ایک ساتھی نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ ہم دونوں حضرت عثمان کے چہرے پر اس وقت تھپڑ ماریں گے جب انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ قتل کے روز جب ہم گھر میں داخل ہوئے تو حضرت عثمان کا سر ان کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ کی گود میں تھا۔ میرے ساتھی نے حضرت نائلہ سے کہا: حضرت عثمان کے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔ انہوں نے کہا: کیوں؟ ساتھی نے کہا: میں نے ان کے چہرے پر تھپڑ رسید کرنے کی نیت کی ہوئی ہے۔ نائلہ نے کہا: جانتے ہو یہ وہ ہستی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دے رکھی ہے'' وہ یہ بات سن کر شرمندہ ہوا اور واپس چلا گیا۔ میں نے کہا: اس کے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ نائلہ نے مجھے بھی وہی کچھ کہا جو میرے ساتھی سے کہا تھا لیکن میں اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور حضرت عثمان کے چہرے پر تھپڑ رسید کر دیا۔ نائلہ نے یہ منظر دیکھتے ہی مجھے کہا: تیرا ستیاناس ہو، اللہ تیرا ہاتھ خشک کر دے، تو اندھا ہو جائے۔ وہ شخص بیان کرتا ہے کہ ان کے گھر کے دروازے سے ابھی نکلا ہی تھا کہ میرا وہ ہاتھ فوراً سوکھ گیا جس سے میں نے تھپڑ مارا تھا اور اسی وقت میری نظر جاتی رہی اور میں اندھا ہو گیا اسی لیے میرا خیال ہے کہ اللہ مجھے میرا گناہ بخشے گا نہیں۔

محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کا ہاتھ دیکھا وہ لکڑی کے مانند سوکھا ہوا تھا۔ اس طرح حضرت نائلہ کی دعا قبول ہوئی جیسے ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل ہی نہ ہو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس صبر کرنے والی جلیل القدر خاتون کو حق کی راہ پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائی اور جس شخص نے ان کے عظیم المرتبت خاوند پر ظلم کیا اس کے خلاف دعا کو فوراً شرف قبولیت عطا کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں حضرت نائلہ بنت فرافصہ تمام خواتین میں سب سے زیادہ فصیح وبلیغ، ذہین وفطین اور بلند اخلاق تھیں ان کی پرورش خالص ترین فصاحت وبلاغت کے ماحول میں ہوئی پھر انہوں نے فصاحت وبلاغت کے حوالے سے دنیا بھر میں مشہور ومعروف سرداران قریش میں زندگی بسر کی۔ یاد رہے کہ خود حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بڑے فصیح وبلیغ تھے ان کو یہ فصاحت وبلاغت قرآن حکیم کے فیض سے اور نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے جمال سے میسر آئی۔

حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کٹی ہوئی انگلیوں سے جو خط امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تحریر کیا اس سے ان کی فصاحت وبلاغت کا پتہ چلتا ہے۔ اس خط کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص بھی روانہ کی جو شہادت کے وقت آپ نے پہنی ہوئی تھی اور وہ خون سے لت پت تھی۔

حضرت نائلہ نے یہ خط لکھا: (ترجمہ): نائلہ بنت فرافصہ کی جانب سے معاویہ بن ابی سفیان کی طرف۔ **امابعد!**

میں تمہیں اس اللہ کا واسطہ دے کر یاد دہانی کراتی ہوں جس نے تم پر اپنی نعمتیں نچھاور کیں، تمہیں اسلام کی تعلیم دی، تمہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف نکالا، تمہیں کفر سے بچایا، دشمن پر غلبہ عطا کیا اور تم پر ظاہری اور باطنی اعتبار سے اپنی نعمتیں مکمل کیں۔ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں، اس کا حق یاد دلاتی ہوں اور اس کے خلیفہ کا حق یاد دلاتی ہوں جس کی تم نے کوئی مدد نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو پیش نظر رکھو اس نے ارشاد فرمایا: ''اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان دونوں کی صلح کراؤ اور اگر ایک دوسرے پر زیادہ کا

مرتکب ہوتو اس کے خلاف لڑو جس نے زیادتی کی یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

اس کے بعد حضرت نائلہ نے یہ تحریر کیا کہ

''امیر المؤمنین کے خلاف بغاوت ہوئی تم تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث ہو یہ تو ہر مسلمان کا فرض بنتا تھا کہ ان کی مدد کو آگے بڑھتا۔ وہ امیر المؤمنین تھے امام المسلمین تھے تم اس حقیقت سے آگاہ بھی ہو کہ انہیں اسلام قبول کرنے کے حوالے سے سبقت کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ آزمائشوں میں پورے اترے، اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کی، اس کی کتاب قرآنِ حکیم کو سچ مانا اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کو لازم پکڑا۔ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خوب جانتا ہے جس نے اسے منتخب کیا اور اسے دنیا وآخرت کا شرف عطا کیا''۔

اس کے بعد حضرت نائلہ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کا اَلم ناک منظر نہایت ہی رقت انگیز انداز میں بیان کیا۔

حضرت نائلہ بنت فرافصہ عمدہ تحریر کے ساتھ ساتھ میدانِ خطابت میں بھی فصاحت وبلاغت کے جوہر دکھلانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھیں۔ یہ اس قدر موثر گفتگو کرتیں کہ سننے والے دم بخود رہ جاتے۔ ان کی گفتگو موقع کی مناسبت سے ہوتی جس کا دلوں پر بڑا ہی گہرا اثر مرتب ہوتا۔ برجستہ خطاب پر انہیں کامل قدرت حاصل تھی۔ اسلوبِ کلام ایسا ولولہ انگیز ہوتا کہ سننے والوں کے خیالات میں ایک ہنگامہ برپا ہوجاتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد یہ مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئیں ان کے ساتھ کثیر تعداد میں خواتین بھی تھیں۔ قبلہ رخ ہوکر کھڑی ہوئیں، ایک خاتون نے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ لٹکا دیا لوگ وہاں بیٹھے رہے انہوں نے حمد وصلاۃ کے بعد کہا:

(ترجمہ) ''تمہارے سامنے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اعتذار کے بعد ظلم وستم کے ساتھ قتل کردیے گئے۔ اے اہل ملت! اے طائفۂ مومنہ کے لوگو! کیا انہوں نے تمہیں کوئی گزند پہنچائی ہے؟ میرے یہاں کھڑے ہونے کو عجیب وغریب نہ سمجھو اور میرے کلام کو زائد از ضرورت خیال نہ کرو۔ میں نشانِ عبرت ایک وہ آزاد عورت ہوں جسے بہت زیادہ تکلیف دی گئی جسے عثمان کے غم ہونے اور داغِ مفارقت کا غم لاحق ہوا ہے جو مجلس شوریٰ میں فضل وشرف اور عظمت ووقار کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تیسرے نمبر پر تھے۔''

اس موقع پر انھوں نے بڑی لمبی تقریر کی اور آخر میں انہوں نے کہا:

''لوگو! ایک ایسے اندھے اور بہرے فتنے کا شکار ہوئے جس نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ شر کا کھیل منہ کھولے ہوئے اور برائی کی نشانیاں دانت نکالے کھڑی ہیں اگر تم عثمان کی بات کا انکار کروگے تو کوئی اور تمہاری بات ماننے سے انکار کردے گا نہ تمہیں کوئی سزا فائدہ دے گی اور نہ ہی تم سے کوئی معذرت سنی جائے گی۔''

پھر حضرت نائلہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی طرف منہ کرکے کہا: الٰہی گواہ رہنا۔ پھر وہ روتی ہوئیں اور **انا للہ وانا الیہ راجعون** پڑھتی ہوئیں واپس چلی گئیں۔ لوگ بھی غمزدہ ہوکر اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ وہ حضرت نائلہ کے خطاب سے بہت متاثر ہوئے اور اس مصیبت پر غمگین وپریشان ہوئے۔

● ●

سیوڑی کراس روڈ ممبئی میں عرس شیخ اعظم

۲۰ جنوری ۲۰۱۸ بروز سنیچر بعد نماز عشا سیوڑی کراس روڈ نزد ڈرائی فش مارکیٹ سیوڑی میں ربانی عیدگاہ کمیٹی کی جانب سے پانچواں عرس شیخ اعظم اپنی تمام تر شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔

جس کی صدارت شہزادۂ حضور شیخ اعظم قائد ملت حضرت سید محمد محمود اشرف الاشرفی الجیلانی نے فرمائی اور نظامت کی ذمے داری جناب ریاض اشرفی نے ادا کی، پھر ثنا خواں حضرات نے نعت ومنقبت پیش کیے، مقرر خصوصی حضرت سید محمود اشرف نے ''اسلام کیا ہے'' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کو ماننے کا نام ہے، اسلام میں عقل سے فیصلہ کرنے سے دشواری بڑھ جاتی ہے۔ ایک مثال سے گفتگو واضح کیا کہ ابلیس نے چھ کروڑ برس تک سجدہ کیا رب کے حکم پر وہ اس وقت تک معلم الملائکہ رہا لیکن جب اس نے عقل کی بنیاد پر فیصلہ کیا کہ میں آگ سے بنا اور آدم مٹی سے، اور سجدہ نہ کیا تو مردود بارگاہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام میں عقل نہیں مصطفیٰ کریم کا حکم چلتا ہے، اخیر میں راقم السطور نے سنی دعوت اسلامی (شاخ سیوڑی) کی جانب سے امیر سنی دعوت اسلامی کی حیات وخدمات پر مضامین کا حسین گلدستہ بنام تجلیات نوری اور ماہنامہ سنی دعوت اسلامی بطور تحفہ سید صاحب اور ان کے خلفا کی بارگاہ میں پیش کیا، حضرت سید صاحب نے تحریک اور راقم السطور کو ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

رپورٹ: محمد آزاد نوری (جامعہ غوثیہ نجم العلوم ممبئی ۳)

56

کچھ نہ کچھ سیکھتے رہیں!

از: قارئین

کبھی کسی کا حق نہ مارنا

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے کسی دوسرے کی ایک بالشت زمین ظلم سے دبالی تو یہ زمین قیامت کے دن اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی اور یہ ایک بالشت کی مقدار بھی ساتوں زمینوں تک ہوگی یعنی زمین کے ساتوں حصے پورے کیے جائیں گے اور اوپر سے لے کر زمین کی گہرائی تک کا پورا حصہ طوق بنایا جائے گا اور اس غاصب کی گردن میں وہ طوق پہنایا جائے گا۔

(بخاری و مسلم)

مطلب یہ کہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اس وزن کو اٹھائے یا اس آدمی کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور گردن تک دھنسنے کے بعد زمین خود بخود طوق کی طرح گردن میں آ جائے گی۔

پیارے بچو! آپ کبھی بھی کسی کے حق پر ناجائز قبضہ مت کرنا۔ آپ چاہے جتنے بھی بڑے ہو جاؤ ہمیشہ کمزوروں اور غریبوں کا خیال رکھنا۔ یہ بات گرہ باندھ لو غرور اور گھمنڈ اللہ کو سخت ناپسند ہے اور دنیا میں بھی ایسا آدمی ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

☆☆☆

حضرت ہود علیہ السلام کون تھے

☆ حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ ☆ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کی زبان عربی تھی۔ ☆ قرآنِ مجید میں حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر سات جگہ آیا ہے۔ ☆ قومِ عاد کا ذکر قرآنِ مجید میں ۹ سورتوں میں آیا ہے۔ ☆ قومِ عاد کے لوگ دراز قد اور چوڑے جسم کے خوفناک لوگ تھے۔ ☆ قومِ عاد کے لوگ اتنے مضبوط اور طاقتور تھے کہ اگر پتھر پر پاؤں مارتے تو زانوں تک اس میں گھس جاتا۔ ☆ قومِ عاد کی بستیاں حضر موت اور یمن کے شمال میں بحر یمن کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ☆ عاد قبیلہ حضرت ہود علیہ السلام کے پردادا عاد بن عوص کے نام سے منسوب تھا۔ ☆ قوم عاد کے لوگ سات بتوں کی پوجا کرتے تھے: (۱) ود (۲) سواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر (۶) صمود (۷) عتار ☆ حضرت ہود علیہ السلام کی وفات حضر موت میں ہوئی۔ ☆ قوم عاد پر سخت آندھی کا عذاب آیا تھا۔ یہ آندھی ۸ دن ۷ راتوں تک جاری رہی۔ ☆ جب اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو اس دنیا سے غارت کیا تو اس کے بعد قومِ ثمود نے ان کے شکستہ مکانوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو از سر نو تعمیر کر لیا۔

☆☆☆

برائی کا بدلہ اچھائی سے دو

ایک فقیر و نادار شخص کاشتکاری کرتا تھا۔ وہ جب بھی حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتا تو آپ کی شان میں گستاخی کرتا اور گالیاں دیتا۔ وہ ہر روز حضرت امام موسیٰ کاظم اور ان کے دوستوں کو تنگ کرتا تھا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر اپنا غصہ پی جاتے تھے اور اس کی اذیت اور گالیوں کا جواب نہ دیتے تھے لیکن آپ کے دوست اس شخص کی بے ادبی اور گستاخی سے سخت ناراض ہوتے اور انہیں بڑا املال ہوتا۔

ایک دن جب اس آدمی نے حسب معمول اپنی زبان بد گوئی کے لیے کھولی تو امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے دوستوں نے ارادہ کر لیا کہ اسے سزا دیں گے اور اتنا ماریں گے کہ مر جائے تا کہ اس کی بدزبانی ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے اور اس دنیا میں بھی اپنے کیے کا نتیجہ بھگت جائے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم کو ان کے ارادے کا علم ہو گیا تو حضرت نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ اے میرے دوستو! صبر کرو میں خود اسے ادب سکھاؤں گا۔ چند دن گذر گئے مگر اس شخص کی ناشائستہ حرکت میں فرق نہ آیا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم کے دوست اس آدمی کے اس رویہ سے بہت ناراض تھے لیکن جب وہ ارادہ کرتے کہ اسے خاموش کریں تو حضرت امام جعفر صادق انہیں روک دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ دوستو! صبر کرو میں خود اسے نصیحت کروں گا۔

ایک دن حضرت امام موسیٰ کاظم نے پوچھا کہ وہ آدمی کہاں ہے؟ دوستوں نے کہا کہ شہر کے باہر اپنی زمین پر زراعت کرنے میں مشغول

ہے۔حضرت امام موسیٰ کاظم گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس کی طرف چلے۔اس آدمی نے جب امام کو آتے دیکھا تو اپنے بیلچے کو زمین پر گاڑ کر ہاتھ کمر پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔وہ اپنی زبان بدگوئی کے لیے کھولنا چاہتا تھا کہ حضرت امام موسیٰ کاظم اترے اور اس کی طرف بڑھے۔مہربانی سے سلام کیا اور نہایت نرمی سے ہنس کر اس سے گفتگو شروع کی۔آپ نے کہا تم تھک تو نہیں گئے ہو۔تمہاری زمین کتنی سرسبز وشاداب ہے، اس سے کتنی آمدنی ہوتی ہے اور کاشت کرنے پر کتنا صرف ہوتا ہے؟ وہ امام موسیٰ کاظم کی تہذیب اور خوش اخلاقی سے تعجب میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ ایک سو طلائی سکہ۔امام موسیٰ کاظم نے پوچھا کہ تم کو اس زمین کی پیداوار سے کس قدر آمدنی کی توقع ہے۔اس نے سوچ کر کہا کہ دو سو طلائی سکے۔امام موسیٰ کاظم نے ایک تھیلی نکالی اور اس سے کہا کہ تجھے اس سے بھی زیادہ آمدنی نصیب ہوگی۔جب اس مرد نے اپنے برے کردار اور اذیت اور آزار کے مقابلے میں یہ اخلاق دیکھا تو بہت شرمندہ ہوا اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا کہ میں برا انسان تھا اور آپ کو تکلیف دیتا تھا لیکن آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے اور بزرگ انسان کے فرزند ہیں۔آپ نے مجھ سے اچھائی کی ہے اور میری مدد فرمائی ہے۔میں گذارش کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کریں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے مختصر کلام کے بعد اس کو خدا حافظ کہا اور مدینہ کی طرف پلٹ آئے۔اس کے بعد جب بھی وہ مرد حضرت امام کو دیکھتا تھا تو باادب سلام کرتا تھا اور آپ کے دوستوں کا بھی احترام کرتا اور کہتا تھا کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ کس کو لوگوں کا امام اور پیشوا قرار دے۔حضرت امام موسیٰ کاظم کے دوست تعجب کرتے تھے کہ کس طرح آزار اور گالیاں دینے والا انسان اس قدر باادب اور مہربان ہو گیا ہے۔شاید انہیں یہ علم نہ تھا کہ امام موسیٰ کاظم نے اس کی کس طرح تربیت کی تھی۔

عزیز بچو! دیکھا آپ نے ؟حضرت نے برائی کا بدلہ اچھائی سے دیا تو آپ کو برا کہنے والا انسان آپ کا دیوانہ ہو گیا۔دراصل اسلامی تعلیم یہی ہے۔برائی کا بدلہ ہمیشہ اچھائی سے دینا چاہیے۔اگر حضرت امام موسیٰ کاظم اپنے دوستوں کے اصرار پر اس سے بدلہ لیتے تو اس کی دینی تربیت نہ ہو پاتی اور وہ یوں ہی سب کو برا کہتا رہتا مگر حضرت امام کی حکمت عملی نے برے کو اچھا بنا دیا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس کی توفیق دے۔

☆☆☆

غصے میں کبھی کوئی فیصلہ مت کرو

ایک محلے میں دو ہمسائے پاس پاس رہتے تھے۔ایک بڑ[illegible] کا تھا اور دوسرا دھیما اور دانا۔دانا کے یہاں کچھ مرغیاں پلی ہوئی تھیں مگر اس بات کا وہ ہمیشہ خیال رکھتا تھا کہ ہمسایوں کو تکلیف نہ ہو۔باہر جاتے وقت مرغیوں کو دانہ پانی دے کر بند کر جاتا اور جب گھر آتا تو کھول دیا کرتا تھا۔

ایک دن یہ گھر میں موجود نہ تھا کہ مرغیاں کسی طرح کھانچے سے باہر نکل آئیں اور انھوں نے لڑاکے ہمسائے کے گھر جا کر کہیں بیٹ کر دی، کہیں زمین کھود کھود کر گڑھے ڈال دیے۔الغرض ہر جگہ کوڑا کرکٹ پھیلا دیا۔لڑاکے نے دیکھا تو مارے غصے کے بیسیوں ہی گالیاں دیں اور جل بھن کر ایک مرغی کی گردن بھی مروڑ ڈالی۔

یہ غصے میں بھرا ہوا ابھی بک ہی رہا تھا کہ دانا بھی آ پہنچا جس سے گھر والوں نے شکایت کی کہ اس کے ہمسائے نے ناحق گالیاں دے کر اتنا شور مچا رکھا ہے۔ذرا جا کر پوچھو تو سہی۔اگر جانور آپ سے آپ نکل گئے تو اس میں ہمارا کیا قصور۔

عقل مند نے سوچا کہ ایسے لڑاکے سے سمجھ داری کی اُمید فضول ہے۔دانائی یہ ہے کہ اس کی درستی کی کوشش کرنی چاہیے۔یہ سوچ کر وہ ہمسائے کے گھر گیا اور نرمی سے کہا: آج کسی طرح آپ سے آپ مرغیاں نکل گئی تھیں، مجھے افسوس ہے کہ انھوں نے آپ کو تکلیف پہنچایا۔لائیے میں آپ کے صحن میں جھاڑو دے دوں اور کچھ نقصان ہوا ہو تو وہ بھی پورا کر دوں۔''

دانا کی اِن ملائم باتوں نے لڑاکے کے دل پر بڑا اثر کیا کیوں کہ اسے تو ایک مرغی کا گلا گھونٹ دینے سے ہمسائے کی طرف سے لڑائی جھگڑے کا اندیشہ تھا۔اس نے فوراً دانا سے معافی مانگی اور پھر کبھی ایسی حرکت نہ کی جس سے دوسروں کو کوئی تکلیف پہنچے۔

عزیز بچو! کبھی بھی غصے کی حالت میں کوئی فیصلہ نہیں لینا چاہیے اور جب تک دوسرے کی بات نہ سن لے کوئی فیصلہ نہیں دینا چاہیے۔ دیکھو اگر اس لڑاکے کو ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک یاد ہوتی تو وہ اپنی اس حرکت سے باز رہتا ''سوچ سمجھ کر کام کرنا محض اللہ (کی توفیق) سے ہوتا ہے ،اور جلدی کا عمل شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔''

●●

معلومات کا خزانہ

از: محمد ضیاء الدین برکاتی

سوال: قرآن کے کس پارے میں سب سے زیادہ سورتیں ہیں اور کتنی؟
جواب: پارہ نمبر ۳۰۔ سورتیں ۳۷
سوال: قرآن میں وضو کا بیان کس سورت میں ہے؟
جواب: سورۃ المائدہ میں۔
سوال: زبور اور انجیل مقدس کس زبان میں نازل ہوئیں؟
جواب: عبرانی زبان میں۔
سوال: بیت العتیق کسے کہا جاتا ہے؟
جواب: خانہ کعبہ کو۔
سوال: مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان کون تھے؟
جواب: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے میزبان کون تھے؟
سوال: حج کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سے صحابی کنکریاں چن کر دیتے تھے؟
جواب: حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
سوال: اسلامی سلطنت میں شامل ہونے والے پہلے جزیرہ کا نام؟
جواب: قبرص (سائپرس)
سوال: دنیا کی خالص ترین زبان جس میں دوسری زبان کے لفظ نہیں۔
جواب: یہ عربی زبان ہے۔
سوال: اسلامی دنیا سب سے بڑا جنازہ کس کا تھا؟
جواب: مصر کے صدر جمال عبدالناصر کا۔(۱۹۷۰)
سوال: بھارت کے اس وزیر اعظم کا نام بتائیں جس کی یوم پیدائش ہر چار سال پر مناتے ہیں؟
جواب: مرار جی دیسائی (۲۹ فروری)
سوال: بھارت کے اس وزیر کا نام جس کا انتقال دوسرے ملک میں ہوا؟
جواب: لال بہادر شاستری (روس میں ہوا)
سوال: آزاد بھارت (۱۹۴۷ کے بعد) میں پیدا بھارت کا پہلا وزیر اعظم
جواب: نریندر مودی۔
سوال: آزاد بھارت (۱۹۴۷ کے بعد) میں پیدا بھارت کا پہلا نائب صدر جمہوریہ کون تھا؟
جواب: ویکنیا نائیڈو۔
سوال: بھارت کا وہ کون سا مرکزی صوبہ ہے جہاں ایک بھی مندر نہیں ہے؟
جواب: لکشدیپ۔
سوال: کمپیوٹر کو اردو میں کیا کہا جاتا ہے؟
جواب: شمارندہ
سوال: دنیا کی سب سے طویل ترین نظم کا نام بتائیں؟
جواب: مہابھارت
سوال: وہ کون سی چیز ہے جو گرم کرنے کے بعد سکڑ جاتی ہے۔
جواب: انڈا
سوال: اپنی زندگی ہی میں ''مرحوم'' کا لفظ لگانے والے شاعر کون تھے؟
جواب: جوش ملیح آبادی۔
سوال: دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے
بتائیں کہ بحر ظلمات میں سب سے پہلے گھوڑا کس نے ڈالا تھا؟
جواب: حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
سوال: حجاج کرام عید کی نماز کہاں ادا کرتے ہیں؟
جواب: حجاج کرام عید کی نماز ادا نہیں کرتے۔
سوال: Its 6 o clock in the evening میں 'o' سے کیا مراد ہے؟
جواب: o سے مراد of ہے۔
سوال: بلیک ڈائمنڈ کسے کہتے ہیں؟
جواب: کوئلے کو کہتے ہیں۔
سوال: دنیا کے تقریباً تمام دریا شمال سے جنوب کی طرف بہتے ہیں وہ کون سا مشہور دریا ہے جو جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے؟
جواب: دریائے نیل۔

●●

دینی، دعوتی، مذہبی وتحریکی سرگرمیاں

از:ادارہ

ہمارے نبی علم واخلاق دونوں عام کرنے کے لیے مبعوث ہوئے

۷ جنوری بروز اتوار اُرن نوی ممبئی میں عظمت مصطفی کانفرنس وسنی اجتماع کا انعقاد عمل میں آیا۔امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی مارہروی (پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کی صدارت میں یہ کانفرنس کامیابیوں سے ہم کنار ہوئی۔افتتاحی خطاب مصلح ملت حضرت مولانا سید محمد امین القادری (نگراں سنی دعوت اسلامی) مالیگاوں کا ہوا۔آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں عظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیان کرتے ہوئے فتنۂ شکیلیت سے مسلمانوں کو بچنے اور اس سے آگاہ رہنے کی تلقین کی۔آپ نے کہا کہ مہاراشٹرا کے اورنگ آباد ضلع سے اٹھنے والا یہ فتنہ دراصل قادیانی فتنے کے مثل ہے، یہ شخص نبی ہونے کا جھوٹا دعوے دار ہے،اس لیے کہ قرآن وحدیث اور اُمت مسلمہ کے اجماع سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں آسکتا۔موصوف نے تمام مسلمانوں کو اس فتنے سے دور رہنے کی تلقین کی،بعدہ آج کا دوسرا اہم بیان امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری کا ہوا۔ آپ نے اپنے خطاب میں علم واخلاق کی اہمیت اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجا گیا تھا اسی طرح آپ کو اخلاق کریمانہ کی تکمیل کرنے والا بنا کر مبعوث کیا گیا۔آپ نے کہا کہ ایک وقت وہ تھا کہ دنیا علم واخلاق ہم سے سیکھتی تھی لیکن اب ہم علم واخلاق دونوں میدان میں بہت پیچھے ہو چکے ہیں۔آپ نے خلقِ حسن۔خلقِ کریم اور خلقِ عظیم کا فرق بتاتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے نبی اخلاق کی سب سے اعلیٰ قسم خلق عظیم پر فائز تھے۔

صدر کانفرنس حضرت سید امین میاں مارہروی دام ظلہ العالی نے مختلف موضوعات پر عوام کو عمدہ نصیحتوں سے نوازا۔آپ نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات وتصرفات بیان کرنے کے ساتھ علم کی اہمیت پر زور دیا اور نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم لوگ اب عمر کے آخری پڑاو پر ہیں اب آگے میدان آپ کو ہی سنبھالنا ہے۔ آپ نے نوجوانوں کی ان کی ذمے داریوں کا احساس نہایت عمدہ انداز میں کرایا۔حضرت موصوف نے لوگوں کو نماز کی پابندی کی تلقین فرمائی اور آپ ہی کی دعا پر کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔بلبل باغ مدینہ الحاج قاری رضوان صاحب نے نعت ومناقب سے سامعین کو محظوظ کیا۔اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لیے ممبئی ومضافات سے سنی دعوت اسلامی کے کئی نوری قافلے اُرن پہنچے تھے جس میں تقریباً تین سو افراد مرکز اسمعیل حبیب مسجد سے متعلق تھے۔کشتی کا یہ سفر تقریباً منٹ میں طے ہوا،اس سفر کو بھی مختصر اجتماع کے ذریعہ بامقصد بنا دیا گیا تھا۔ امیر سنی دعوت اسلامی نے دین کی حقیقت اور اس کی دعوت وتبلیغ کی اہمیت پر خطاب کیا اور سامعین کو کچھ دعائیں بھی یاد کرائی گئیں۔

(از:مولانا مظہر حسین علیمی)

گلبرگہ میں سنی دعوت اسلامی کا سالانہ اجتماع

۲۷/۲۸ جنوری بروز سنیچر واتوار تحریک سنی دعوت اسلامی شاخ گلبرگہ کا دو روزہ اجتماع منعقد ہوا پہلا دن خواتین کے لیے خاص تھا،اس اجتماع کا آغاز بعد نماز ظہر ہوا،سب سے پہلے مدرسہ فیض مصطفیٰ للبنات گلبرگہ کی فارغات کو ختم بخاری کے ضمن میں آخری حدیث کا درس استاذ الاساتذہ، ماہر معقولات ومنقولات حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد صدر الوریٰ مصباحی استاذ وصدر شعبۂ تقابل ادیان الجامعۃ الاشرفیہ ،مبارک پور اعظم گڑھ،یوپی نے دیا۔آپ نے علمی وفنی انداز میں بخاری شریف کی آخری حدیث اور بخاری کی فضیلت واہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالی اور دعا پر اس خاص محفل کا اختتام کیا گیا۔اس کے بعد سات (۷) فارغات کی ردا پوشی کی گئی۔بعد عصر محقق مسائل جدیدہ ،سراج الفقہاء حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب نے خواتین کی جانب سے موصول ہونے والے مختلف سوالات کے تفصیلی اور اطمینان بخش جوابات دیے۔اس اجتماع میں کئی خطابات ہوئے، نعتیں پڑھی گئیں اور خصوصی درس کا اہتمام کیا گیا جب کہ دو خصوصی خطابات ہوئے ۔پہلا خطاب مقرر ذیشان حضرت سید محمد امین القادری نگراں سنی دعوت اسلامی مالیگاؤں کا ہوا،موصوف نے اپنے خطاب میں اس بات پر زور

دیا کہ ہماری خواتین کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خود کو ڈھالنا چاہیے۔ اپنے رہن سہن، انفرادی اور گھریلو زندگی میں اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ موصوف نے خواتین کے پردے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ عورت کے لیے ایمان لانے کے بعد سب سے بہتر عبادت یہ ہے کہ وہ کسی غیر محرم کو نہ دیکھے اور نہ کوئی اس کو دیکھے، برقع ایسا استعمال کریں کہ جس سے اس کی عمر اور قد کاٹھ کا پتہ نہ چلے، اسی میں ان کی اور ان کے عزت وآبرو کی سلامتی ہے لیکن موجودہ معاشرے میں عزت وآبرو کے عدم تحفظ کی بنیادی وجہ خواتین کا بے پردہ یا پردے میں رہ کر بھی بے پردہ ہوجانا ہے۔ موصوف نے اسلامی تاریخ کی معزز خواتین کے واقعات کو پیش فرما کر خواتین کو حصول علم اور عمل کے معاملے میں ان کی زندگی کو لائحہ عمل کے طور پر اپنانے کی تاکید فرمائی۔ انھوں نے اس بات کو بڑے واضح لفظوں میں فرمایا کہ ہماری خواتین اسلامی تعلیمات کو اپنی ترقی کے لیے دقیانوسیت قرار دے کر خود کو حالات کی رنگینیوں میں ڈھال کر آگے بڑھنے کی بات کرتی ہیں انہیں اپنی موت کو یاد کرنی چاہیے کہ جہاں ہمیں اسلامی تعلیمات کے مطابق چلنا ہی کام آئے گا نہ دنیاوی زیب وزینت میں ڈھل کر خود کو غیر اسلامی بنانا کام آئے گا۔ بعدہ سیاح یورپ وایشیا، فصیح اللسان، ادیب شہیر حضرت علامہ ومولانا محمد فروغ القادری (سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن، یوکے) نے اپنے پرمغز خطاب میں خواتین کے لیے اسلام کے آفاقی نظام کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ تاریخ میں ایسے سیکڑوں غیر مسلم اہل علم و دانش ور افراد مرد وخواتین موجود ہیں جنہوں نے خواتین کے لیے اسلام کے آفاقی نظام کو ہی دیکھ کر اسلام قبول کرلیا، ان حقائق کے باوجود اسلام پر خواتین کے ساتھ عدم انصاف کا الزام لگانا یہ تعصب اور بغض کے سوا کچھ نہیں۔

موصوف نے نماز کے اہتمام پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں اس کا اہتمام لازم جاننا چاہیے، ہمارے اندر بہت ساری خرابیاں اس وجہ سے بھی آگئیں کہ نماز کا اہتمام نہ کیا گیا جو کہ ہر برائیوں اور گناہوں سے روکنے والی تھی، اسلام کا یہ وہ خوبصورت نظام ہے جس سے متأثر ہوکر غیر مسلم بھی دامن اسلام میں آجاتے ہیں لیکن ہمارے مرد وخواتین نے اس سے خود کو دور کرکے اسلام کے اس آفاقی نظام میں مخفی برکات سے محروم ہوتے نظر آرہے ہیں۔ پہلے دن اجتماع کا اختتام حضرت سید امین القادری صاحب کی رقت انگیز دعاؤں پر ہوا۔

دوسرے دن کے اجتماع کا آغاز صبح ۱۰ ربجے شروع ہوا، اس اجتماع میں فرائض وواجبات کی تربیت پر توجہ دی گئی۔ اس اجتماع میں محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب نے عوام کے سوالات کے تفصیلی جوابات دیے۔ آج کا پہلا خطاب استاذ الاساتذہ، مبلغ اسلام حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد صدر الوریٰ مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک، پور اعظم گڑھ کا ہوا، آپ نے حاضرین اجتماع کو آخرت کی فکر کرنے پر توجہ دلائی اور اس کے لیے دنیا میں جن اُمور کی رعایت کرنی ہے اسے قرآن واحادیث کی روشنی میں تفصیلی طور پر بیان کیا۔

پھر مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا محمد فروغ القادری نے اپنے خطاب میں قرآنی آیات کی روشنی میں قدرت الٰہی کے نمونوں کو پیش کرتے ہوئے لوگوں کو رجوع الی اللہ کی دعوت دی۔ موصوف نے فرمایا کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو عزت وبلندی عطا کرتا ہے، اگر ہمیں عزت وسرخروئی چاہیے تو ہمیں دامن اسلام میں پناہ لینی چاہیے۔ آج دنیا بھر میں غیر مسلم دامن اسلام میں تیزی سے آرہے ہیں صرف اس لیے کہ کامیابی وکامرانی اور عزت وآبرو دامن اسلام میں ہی ہے، لہٰذا ہمیں بھی اسلام سے اپنا رشتہ مضبوط کرنا چاہیے۔ پھر نگراں سنی دعوت اسلامی حضرت سید محمد امین القادری نے ماں باپ کے حقوق پر آیت واحادیث اور واقعات کی روشنی میں تفصیلی گفتگو فرمائی اور فرمایا کہ موجودہ دور میں قرآن واحادیث اور اچھوں کی صحبت سے دوری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے نوجوان غیر محروموں سے فضول باتیں کرنے کے لیے گھنٹوں وقت دے دیتے ہیں لیکن ماں باپ جو ان کے لیے ایک عظیم نعمت اور حصول جنت کا ذریعہ ہیں، انھیں چند منٹ وقت دینا گوارا نہیں کرتے یہ ان کے لیے بڑی محرومی اور دنیا وآخرت میں خسران کا سبب ہے۔

حضرت سید صاحب کے بیان کے بعد دار العلوم رضائے مصطفیٰ کے فارغین حفاظ کرام کی علما ومشائخ کے ہاتھوں دستار بندی کی گئی۔ آخری اور مرکزی خطاب داعی کبیر، امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا حافظ وقاری محمد شاکر نوری صاحب کا ہوا۔ آپ نے اپنے خطاب میں مسلمانوں کے موجودہ حالات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کا مسلمان ہر اعتبار سے پریشان لگ رہا ہے، بے سکونی محسوس کررہا ہے، اس سے نجات کے مختلف طریقے بیان کرنے والے بیان کررہے ہیں لیکن قرآنی پیغام یہ ہے کہ ہم اپنے مسائل سے نجات کے لیے، امن وسکون پانے کے لیے اور دنیا کے بے رحم ہاتھوں سے

چھٹکارا پانے کے لیے اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں۔حضرت موصوف نے بزرگان دین کی زندگی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ وہ لوگ جو مادی دنیا سے بے نیاز تھے باوجود اس کے فاتح اور حکمراں کی حیثیت سے تھے اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے اپنا رشتہ مضبوط رکھا تھا جس نے انہیں یہاں بھی سرخرو رکھا اور ان شاءاللہ قیامت اور حشر میں بھی سرخرو رہیں گے۔اجتماع میں کثیر تعداد میں علما، مشائخ، ائمہ، عمائدین، دانشوران نے شرکت کی۔خاص طور پر الحاج قاری محمد رضوان احمد خان صاحب، جناب الحاج محمد خالد رضوی، محمد روہیب رضوی، جناب محمد امتیاز رضوی، جناب الحاج سید محمد صاحب (جئے پور) جناب معین الدین چشتی، جناب محمد موسی رضوی مبلغین سنی دعوت اسلامی ممبئی وبھیونڈی شریک رہے۔

دھوراجی گجرات میں سنی دعوت اسلامی کا نورانی اجتماع

۱۳ رجنوری بروز سنیچر بعد نماز ظہر شاہ جی ہال میں خواتین کا اجتماع منعقد ہوا جس میں ۴ بجے تک تلاوت، نعت ومنقبت، وعظ ونصیحت کے فرائض **جامعہ فاطمۃ الزہرا دھوراجی** کی معلمات ومتعلمات نے بحسن وخوبی انجام دیے۔بعدہ عالمہ فاضلہ شبنم آپا (مبلغہ سنی دعوت اسلامی) بھیونڈی نے ''جہیز کی نحوست'' پر ایک موثر خطاب کیا۔بعد نماز عصر بلبل باغ چشت جناب سید معین الدین چشتی ممبئی نے نعت شریف پیش کی پھر اولا دغوث اعظم حضرت سید امین القادری صاحب نے ''عورت اور پردہ'' کے موضوع پر ولولہ انگیز خطاب کیا۔بعد نماز مغرب دعا اور صلوۃ وسلام پر اجتماع کا اختتام ہوا۔

دوسرے دن کے اجتماع میں صبح سے ہی اردگرد کے لوگوں کا آنا شروع ہو گیا تھا، بعد نماز ظہر اولا دغوث اعظم حضرت سید صالح شیرازی جناب سید معین الدین بابا کی دعاوں سے اجتماع کا آغاز ہوا۔بعدہ سنی دعوت اسلامی کے ادارہ برکات امام حسین نوری تربیتی سینٹر اور فیضان غمین شاہ کے طلبہ نے تلاوت، نعت، منقبت، درس اور بیان وغیرہ پیش کیے۔نماز عصر سے پہلے حضرت مولانا محمد یوسف نوری نجمی کا خطاب ہوا، بعد نماز مغرب حافظ وقاری محمد اشفاق حسین نوری نجمی اور سید معین الدین چشتی نے نعت خوانی کے ساتھ ساتھ عوام کی عملی تربیت کی۔بعد نماز عشا حضرت مولانا سید امین القادری (نگراں سنی دعوت اسلامی مالیگاؤں) نے توبہ واستغفار کے موضوع پر موثر خطاب کیا، پھر الحاج قاری محمد رضوان خان صاحب نے طبیعت کی ناسازی کے باوجود اپنے کچھ کلام پیش کیے۔پھر آج کا خصوصی خطاب امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری دام ظلہ العالی کا ہوا۔آپ نے سیرت نبوی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ جس کے دل میں خوف خدا ہو وہ کسی دنیادار سے نہیں ڈرتا اور خوف خدا رکھنے والوں کے لیے دنیا وآخرت دونوں میں بھلائی ہے۔آپ نے اپنے خطاب میں صبر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ جو مصائب وآلام میں صبر کرتے ہیں انھیں اللہ کی معیت ونصرت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس اجتماع کی صدارت مجاہد شوراشٹر استاذ العلماء حضور غلام غوث علوی صاحب نے کی اور قیادت پیر طریقت حضرت منے میاں شہری نے فرمائی اور نظامت کے فرائض حافظ وقاری محمد مدثر رضا یار علوی نے انجام دیے۔شہر اور مضافات کے کئی علما نے اس اجتماع میں شرکت فرمائی، کچھ کے نام یہ ہیں: مولانا صوفی احمد حسین صاحب، مولانا ابوالحسن صاحب فیضی، حافظ وقاری ضیاء المصطفی صاحب، مولانا غزالی صاحب، مولانا یعقوب صدیقی صاحب، مولانا سید انیس باپو صاحب، مولانا اویس صاحب، مولانا اصغر صاحب، مولانا شمس الحق صاحب، مولانا محمود عالم صاحب، قاری عبدالجلیل و دیگر علما وسادات اور مبلغین وعوام اہل سنت نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔حاجی ادریس کونڈا، مقیم بھائی، توحید بھائی، سید اقبال باپو اور مفتی منور رضا صاحب (نگراں سنی دعوت اسلامی) نے اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لیے خوب جد وجہد کی۔اللہ پاک سب کی خدمات کو قبول فرمائے۔(**رپورٹ: محمد سکندر رضوی، دھوراجی**)

بنگلور میں دو مدارس کا قیام

قوم کے نونہالوں کی اسلامی بنیادوں پر ان کی تعلیم وتربیت کے لیے بنگلور سی پورا میں مدرسہ قادریہ نجم العلوم کا سنگ بنیاد امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاکر نوری ممبئی کے دست مبارک سے رکھا گیا، امید کی جاتی ہے کہ رمضان سے قبل اس کا تعمیری کام مکمل کر لیا جائے گا۔اسی طرح گووند پورہ بنگلور میں مدرسہ غریب نواز (برائے خواتین) کا افتتاح امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاکر نوری ممبئی نے فرمایا۔

●●

نوٹ: اس کالم کے لیے اپنے اپنے علاقے میں ہو رہے دینی، تعلیمی، سماجی وفلاحی کاموں کی تفصیل ادارے کو ضرور ارسال کریں۔(ادارہ)

منظومات

نتیجہ فکر: فیروزؔ برہان پوری/فرحت حسین خوشدلؔ/امیر سنی دعوت اسلامی

حمد باری تعالیٰ

اے ذاتِ وحدۃ الوجود
کہ کہاں نہیں ہے تو موجود
تیری ذات ،ذاتِ لم یلد
نہیں تجھ سے کوئی بھی مولود
عیاں ذرے ذرے سے تیری شان
تو شہود ، شاہد و مشہود
تیری ہمسری کے داعی کئی
ملے خاک میں سبھی غرور
اسے کیا غرض جہانوں سے
تو ہی جس کا منتہا مقصود
بھلا زندگی ہے کیا اس کی
ہو جس کے دل سے تو مفقود
میں ہوں تیری احسنِ تقویم
مجھے سب عزیز قید و بند وقیود
ثنا تیری کیا ہو مجھ سے بیاں
ہیں حقیر میرے سارے رکوع وسجود
اے وجودِ خاکی فنا فیروزؔ
چہ کیوں خاک خواہش نام ونمود

نتیجہ فکر: فیروز برہان پوری

وہ اپنی اُمت کو آبِ کوثر کا جام دیں گے بلا بلا کر

دیار میرے حبیب کا ہے، نہ چل یہاں سر اٹھا اٹھا کر
یہی وہ در ہے جہاں ملائک ہیں آتے پلکیں بچھا بچھا کر

درِ نبی پر جو حاضری دوں سلام لاکھوں میں ان پہ بھیجوں
بڑے ادب سے میں نعتِ اقدس سناؤں سر کو جھکا جھکا کر

ثنائے سرور ادا ہو کیسے ہر ایک لمحہ اسی میں گزرے
بفضلِ ربی جو شعر اترے تو خوش ہوں ان کو سنا سنا کر

عزیز تر ہے نبی کی سیرت، ہے لب پہ میرے نبی کی مدحت
جو نعت میں نے لکھی ہے اب تک ثنا کی شمعیں جلا جلا کر

یقیں ہے مجھ کو بفضل ربی ضرور ہوگی وہ میری پوری
درِ نبی پر دعا جو مانگوں میں اپنا دکھڑا سنا سنا کر

خدائے برتر کا فضل ہوگا بروزِ محشر یقیں ہے مجھ کو
وہ اپنی امت کو آبِ کوثر کا جام دیں گے بلا بلا کر

رضائے رب بھی ملے گی خوشدلؔ رضائے سرور ہے تیری منزل
ہے شرط اتنی نبی کے حکموں پہ چلنا ہے سر جھکا جھکا کر

نتیجہ فکر: فرحت حسین خوشدلؔ

ہزاری باغ، بہار

ہم گنہ گاروں کو سرکار سنبھالے رکھنا	قبر میں آپ کے جلوؤں کے اُجالے رکھنا
بخشوا لیں گے خدا سے میرے آقا لاریب	دل میں اُلفت کا دِیا اپنے جلائے رکھنا
اپنی چوکھٹ پہ بٹھایا ہے جو تم نے مجھ کو	اپنی رحمت کے شہا مجھ کو حوالے رکھنا
یوں تو طیبہ میں بلاتے ہی ہو اکثر لیکن	اب کی اندازِ سخا آپ نرالے رکھنا
غم تو مٹ جائیں گے آقا کے اشارے سے سبھی	دل میں شاکرؔ نہ کوئی آہ نہ نالے رکھنا

نتیجہ فکر: امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری، ممبئی